دارالعلوم دیوبند کا ترجمان

ماہنامہ

دارالعلوم

جلد: ۱۰۷ | صفر المظفر – ربیع الاوّل ۱۴۴۵ھ مطابق ستمبر ۲۰۲۳ء | شمارہ: ۹

نگراں

حضرت مولانا مفتی ابوالقاسم صاحب نعمانی
مہتمم دارالعلوم دیوبند

مدیر

مولانا محمد سلمان صاحب بجنوری
استاذ دارالعلوم دیوبند

ترسیل زر کا پتہ: دفتر ماہنامہ دارالعلوم دیوبند – ۲۴۷۵۵۴ یوپی

Tel. : 01336-222429 Fax : 01336-222768
Web : http://www.darululoom-deoband.com
https://darululoom-deoband.com/urdumagazine
E-mail: info@darululoom-deoband.com

DARUL ULOOM Monthly (Urdu)
R. N. I. No.: 2133/57
Vol. No. 107, Issue No. 9, September. 2023 सितम्बर 2023
Published by Maulana Abul-Qasim Numani
Printed by Maulana Abul-Qasim Numani
Editor :- Maulana Mohammad Salman Bijnori
On Behalf of Darul Uloom Grush.
Place of Publication :- Deoband, Saharanpur, U.P.
Printed at: Mukhtar Printing Press Mohalla Bar Ziyaul Haq
Talehari Chungi. Deoband, Saharanpur. U.P.

Rs. 20/= | Annual Subscription Rs. 200/=

Annual by Regd Post. Rs. 440/=

سعودی عرب، افریقہ، برطانیہ، امریکہ، کناڈا وغیرہ سے سالانہ -/۱۴۰۰ روپے
بنگلہ دیش سے سالانہ -/۷۰۰ روپے، پاکستان سے ہندوستانی رقم -/۷۰۰ روپے

فہرست مضامین

حرف آغاز	اہلِ قرآں! بے حسی کا 'گر'' یہی عالم رہا	محمد سلمان بجنوری	۳
حالات	قرآن مجید کی توہین.....	مفتی احمد عبیداللہ یاسر قاسمی	۵
سیرت وسنت	۶۳ سالہ حیات نبویؐ کی ایک جھلک	مفتی محمد راشد ڈسکوی	۸
//	ماہ ربیع الاوّل-فضائل واحکام	مفتی محمد راشد ڈسکوی	۱۵
//	اذان اور مؤذن کی فضیلت	مولانا خورشید عالم داؤد قاسمی	۱۹
فقہیات	اختلافات ائمہ کی شرعی حیثیت اور منہج اعتدال	مولانا اختر امام عادل قاسمی	۲۵
اکابر دیوبند	شیخ الاسلام حضرت مولانا سیّد حسین احمد مدنیؒ (چند ذاتی تاثرات)	مولانا زاہد الراشدی	۳۵
رہنمائی	علمائے کرام اور سائنسدانوں کی ذمہ داریاں	ڈاکٹر مبشر حسین رحمانی	۴۱
تبصرہ	نئی کتابیں	ڈاکٹر مولانا اشتیاق احمد قاسمی	۵۰
احوال وکوائف		مولانا محمد اللہ قاسمی	۵۵

ختم خریداری کی اطلاع

- یہاں پر اگر سرخ نشان ہے تو اس بات کی علامت ہے کہ آپ کی مدت خریداری ختم ہوگئی ہے۔
- ہندوستانی خریدار منی آرڈر سے اپنا چندہ دفتر کو روانہ کریں۔
- ایک سال کے لیے اگر بذریعہ رجسٹری طلب فرمائیں تو =/440 روانہ فرمائیں۔
- ہندوستان و پاکستان کے تمام خریداروں کو خریداری نمبر کا حوالہ دینا ضروری ہے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حرف آغاز

اہل قرآں! بے حسی کا 'گر' یہی عالم رہا

محمد سلمان بجنوری

سویڈن کے دارالحکومت اسٹاک ہوم میں ایک بار پھر قرآن کریم کی اہانت کرتے ہوئے جلانے کا واقعہ پیش آیا ہے اور پولیس کے ترجمان نے اعتراف کیا ہے کہ اظہار رائے کی آزادی کے حق کی بنیاد پر، اس مجرم کو اس بدبختانہ عمل کی اجازت دی گئی تھی۔ خود اُس مجرم نے بھی اعلان کیا تھا کہ وہ یہ کام، عدالتی لڑائی لڑنے کے بعد کررہا ہے، گویا عدالت نے بھی اس کام کی اجازت دی تھی، دنیا میں اہانتِ قرآن کا یہ پہلا واقعہ نہیں ہے اور یہ بھی معلوم ہے کہ اہانت قرآن ہی کی طرح اہانت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا مجرمانہ عمل بھی ان بدبختوں کے نامۂ اعمال میں بڑی تعداد میں لکھا ہوا ہے، جب کہیں اور کبھی، اس قسم کے دل آزار واقعات پیش آتے ہیں تو ایک ردعمل تو مغربی دنیا کا ہوتا ہے کہ وہ بڑی آسانی سے اس کو اظہار رائے کی آزادی کے بنیادی حق سے جوڑ کر، اس کے روکنے سے اپنی معذوری کا اظہار کردیتے ہیں اور اگر کبھی ضرورت سمجھی تو اس کی مذمت کردیتے ہیں۔ دوسرا ردعمل عالم اسلام اور مسلمانوں کا ہوتا ہے، جو ہمارے ہر کام کی طرح غیر منصوبہ بند اور غیر مؤثر ہوتا ہے۔

جہاں تک مغربی دنیا کا معاملہ ہے تو اُن کے یہاں دوہرے معیار کام کرتے ہیں، جس آزادیٔ اظہار کی رعایت میں وہ دنیا کے پونے دو ارب مسلمانوں کی دل آزاری کا جواز پیدا کرتے ہیں، وہ اس کو اس وقت بھول جاتے ہیں جب کوئی اس سے بھی ہلکے انداز کی دل آزاری کا واقعہ، یہودیوں یا کسی اور نسلی یا علاقائی گروہ کے ساتھ پیش آئے، جس کا اسلام سے تعلق نہ ہو، ایسے وقت میں آزادیٔ اظہار کا بنیادی حق فراموش ہوجاتا ہے اور اُن کو دیگر انسانی حقوق یاد آجاتے ہیں اور اگر خدانخواستہ ایسی کوئی بات کسی مسلمان کی طرف سے ہوجائے (جو عام طور پر نہیں ہوتی) پھر تو وہ ساری دنیا سر پر اٹھالیتے ہیں اور بڑی آسانی کے ساتھ اس کو مسلمانوں کی دہشت گردی قرار دیتے ہیں۔

دوسری طرف مسلمانوں میں جو لوگ جذباتی ہیں اُن کا ردعمل غیر دانش مندانہ ہوتا ہے اور جو کسی

قدر سمجھ دار لوگ ہیں وہ ایسے ہر موقع پر یہ سبق یاد دلانے میں مصروف ہوجاتے ہیں کہ اہانت ودل آزاری کے ان واقعات کا مقصد مسلمانوں کو غیر ضروری مسائل میں الجھانا ہے (جو کسی حد تک صحیح بھی ہے) لہٰذا ہمارا ردعمل جذباتی نہیں ہونا چاہیے؛ لیکن ایسا لگتا ہے کہ عام مسلمانوں سے زیادہ یہ نصیحت مسلم حکومتوں کی سمجھ میں آتی ہے؛ بلکہ ان کی پالیسی کا پہلے ہی سے حصہ ہوتی ہے؛ چنانچہ اُن کا ردعمل اکثر وبیشتر غیر ضروری حد تک غیر جذباتی (ٹھنڈا) اور غیر مؤثر ہوتا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ مغربی طاقتوں کے ناروا طرز عمل کی اصلاح کے لیے نہایت ضروری ہے کہ اس معاملے میں مسلم حکومتیں اپنی پالیسی درست کریں اور منصوبہ بند طریقہ سے اس مسئلہ کو اپنی ترجیحات میں شامل کرکے اقوام متحدہ اور ہر بین الاقوامی فورم پر آواز اٹھاکر، قانون سازی کرائیں تاکہ اسلام اور مسلمانوں کے ساتھ مسلسل جاری رہنے والے اس ناروا طرز عمل پر روک لگائی جاسکے اور ایسے واقعات کا سلسلہ بند ہوجائے۔

دوسری طرف تمام مسلمانوں کو، خواہ وہ حکمراں ہو یا عوام، قرآن کریم کے بارے میں اپنا رویہ ٹھیک کرنا ہوگا یہ بات سمجھانے کی ضرورت نہیں کہ قرآن کریم کو جلانے جیسے انتہا پسندانہ واقعات کا محرک، قرآن سے حقیقی واقفیت کا نہ ہونا ہے۔ اگر مسلمان اب بھی قرآن کے پیغام کو عام کرنے کے لیے کام کرنے پر تیار نہیں ہوں گے تو اس سے زیادہ مسائل کا سامنا ہوگا۔ ضروری ہے کہ خود مسلمانوں کے درمیان بھی اور ساری دنیا کے سامنے بھی قرآن کریم کو ایک زندہ تابندہ اور کھلی کتاب کے طور پر (جیسا کہ وہ حقیقت میں ہے) پیش کرنے کے لیے اپنی ساری صلاحیتیں اور وسائل صرف کیے جائیں؛ تاکہ قرآن کریم کی تعلیمات عام ہوں اور نہ صرف ایسے واقعات بند ہوں؛ بلکہ ساری دنیا کو قرآن سے رہنمائی حاصل کرنے کا موقع ملے۔ ورنہ اگر ہماری بے حسی کا یہی عالم رہا تو خود اپنی نسلوں کا قرآن پر قائم رہنا بھی دشوار ہوجائے گا۔

اہل طوفاں! بے حسی کا گر یہی عالم رہا
موج خوں بن کر ہر اِک سر سے گزر جائے گی رات

* * *

قرآن مجید کی توہین
اسباب ووجوہات اور مسلم امہ کی ذمہ داری

از: مفتی احمد عبیداللہ یاسر قاسمی
استاذ ادارہ اشرف العلوم حیدرآباد

اس بات میں کوئی شک نہیں کبھی انسان کی زندگی میں ایسے غیر معمولی اور غیر متوقع حالات، واقعات اور سانحات پیش آتے ہیں کہ جس سے اس کے حواس ماؤف ہوجاتے ہیں، اس کے سوچنے، سمجھنے اور بولنے کی قوت سلب ہوجاتی ہے، وہ گم صُم ہوجاتا ہے اور اپنے اندر دکھ، درد، تکلیف اور اذیت کے اظہار وبیان کی طاقت نہیں رکھتا، ٹھیک اسی طرح بعض اوقات دین ومذہب کے خلاف کی جانے والی سازشوں، ریشہ دوانیوں، فتنہ سامانیوں، فتنہ پردازیوں اور فتنہ پروروں کی طرف سے پیدا کردہ صورت حال سے ایک باضمیر انسان ایسا بے حال ہوجاتا ہے کہ اس کو کچھ سجھائی نہیں دیتا کہ وہ کیا کرے؟

گذشتہ دنوں سے سویڈن اور ڈنمارک میں مسلسل قرآن مجید کی بے ادبی وگستاخی، بے حرمتی و توہین کے افسوسناک واقعات نے پوری مسلم امہ کا حال کچھ ایسا ہی کردیا ہے، ستم بالائے ستم یہ کہ اس گستاخانہ گھناؤنے جرم کا ارتکاب کرنے والے رُوسیاہ کو قرار واقعی سزا دینے کے بجائے سویڈن کی عدالت نے آزادی اظہار رائے کے عنوان سے کھلی چھوٹ دے کر اپنی حمایت اور پشت پناہی کا ثبوت بھی دیا ہے۔ان واقعات نے پوری امت کو جھنجھوڑ کر رکھ دیا ہے، اس پر ساری دنیا میں احتجاجات ہورہے ہیں، مسلمان تو مسلمان صحیح الفکر غیر مسلم بھی ان شرمناک واقعات کی مذمت کررہے ہیں، ان سب کے باوجود مغرب پونے دوارب مسلمانوں کے جذبات کو ٹھیس پہنچارہا ہے، وہ بار بار ایسے اوچھے ہتھکنڈے استعمال کرتا ہے جس سے مسلم امہ کا وجود ہل جائے، مغرب جس تسلسل کے ساتھ مسلم دنیا کے جذبات سے کھیل رہا ہے یہ یقیناً مغرب کی اسلام دشمنی اور طویل المیعاد منصوبہ بندی کا حصہ ہے

آزادی اظہارِ رائے کی آڑ میں مغرب کی اسلام کی دشمنی

نام نہاد ترقی یافتہ ممالک خود کو انسانی مساوات، بنیادی انسانی حقوق کے علم بردار قرار دیتے ہیں؛ لیکن وہ اپنے قول میں کیسے سچے ہوسکتے ہیں جو آئے دن مسلمانوں کی دل آزاری کرتے ہیں، مسلمانوں کے جذبات کو ٹھیس پہنچاتے ہیں، دوسروں کو انسانی حقوق کے احترام کا درس دینے والی قومیں کیوں دوسروں کے مذہب کا احترام نہیں کرتیں؟ اظہار رائے کی آزادی کے دعویدار کیوں دوسروں کو اپنے مذہب کے مطابق زندگی گزارنے کا حق نہیں دیتے؟ کیا اظہارِ رائے کی آزادی کے عنوان سے مقدس شخصیات کی توہین جرم نہیں ہے؟ کیا آزادی اظہارِ رائے کے عنوان سے مذہبی کتابوں کی بے حرمتی درست ہے؟ نہیں ہرگز نہیں؛ بلکہ یہ یقیناً اسلام اور اہلِ اسلام کے ساتھ مغرب کا غیر انسانی، غیر مذہبی اور غیر اخلاقی رویہ ہے۔

اہل مغرب کی اسلام اور قرآن سے بوکھلاہٹ

اگر ہم اس کے اسباب ووجوہات پر غور کریں گے تو معلوم ہوگا کہ مغرب اسلام کی حقانیت سے مرعوب ہو چکا ہے، اسلام اپنی حقانیت، احترام انسانیت اور ابدی افادیت کی وجہ سے دنیا بھر میں تیزی سے پھیل رہا ہے۔ غیر مسلموں کے منفی پروپیگنڈوں کے باوجود نہ صرف عام انسان؛ بلکہ اہم شخصیات بھی تیزی سے اسلام قبول کررہی ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جو اسلامی تعلیمات وقرآن حکیم کا مطالعہ کرکے اور پوری تحقیق کرکے حلقہ بہ گوشِ اسلام ہورہے ہیں، اسلام جس تیزی کے ساتھ مغربی ممالک میں اپنے وجود کو منوا رہا ہے اور اہلِ زیغ وضلال کے دلوں میں ایمانی روشنی پیوست کررہا ہے، وہ یقیناً اہلِ ہویٰ وہوس اور مغربیت کے علمبرداروں کے لیے ایک خوفناک خواب ہے جس کی تعبیر سے خوف زدہ ہوکر ''کھسیانی بلی کھمبا نوچے'' کے مانند آئے دن مغرب اوچھے ہتھکنڈے اور نت نئے حربے استعمال کرتا ہے جس سے مسلمانوں کی دل آزاری ہو، قرآن مجید کی بے ادبی وبے حرمتی، مقدس شخصیات کی توہین وتنقیص، تحقیر وتذلیل، گستاخانہ خاکوں کی اشاعت، اور اسلاموفوبیا کا فروغ سب اسی ڈر اور خوف کا شاخسانہ ہے اور اسلام کے آفاقی پیغام کے فروغ سے مغرب کی بوکھلاہٹ اور شکست کا واضح منظر ہے اس کے باوجود اہلِ مغرب کے لیے یہ اٹل حقیقت تسلیم کے بغیر چارہ کار نہیں کہ

نور خدا ہے کفر کی حرکت پہ خندہ زن
پھونکوں سے یہ چراغ بجھایا نہ جائے گا

قرآن مجید؛ ایک مقدس کلام

یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ قرآن کریم، کلام الٰہی ہے، جسے اللہ تعالیٰ نے انسانیت کی ہدایت

وراہ نمائی اور بھلائی وخیر خواہی کے لیے حضرت جبریل علیہ السلام کے ذریعے محمد مصطفیٰ، احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل فرمایا ہے مسلمانوں کے نزدیک یہ کتاب: کلام الٰہی، لاریب، ہادی وراہنما، اوامر ونواہی سے بھرپور، ایمان میں قوّت واضافہ کا باعث اور دنیاوآخرت کی سعادتوں اور کامرانیوں سے مالامال کرنے والی کتاب ہے، اس کے برعکس مشرکین، یہود بے بہبود اور عیسائی نزول قرآن کے وقت سے قرآن کے مخالف رہے ہیں، اپنی قوم کوقرآن مجید کی پاکیزہ تعلیمات سے بدظن اور دور رکھنے کے شیطانی منصوبے بناتے رہتے ہیں، حتیٰ کہ قرآن کریم کومٹانے اور اس میں تحریف کے خواہاں ہیں اور آج تک انھیں شیطانی چالوں، دسیسہ کاریوں اور فتنہ پردازیوں پرعمل پیرا ہیں۔

اس کی بڑی وجہ ذکر کرتے ہوئے شیخ الاسلام حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ لاتسمعوا لھٰذا القرآن والغوا فیہ لعلکم تغلبون. (حم السجدہ:۲٦) کی تشریح میں لکھتے ہیں:

’’چونکہ قرآن کریم کی آواز بجلی کی طرح سننے والوں کے دلوں میں اثر کرتی تھی جوسنتا، فریفتہ ہوجاتا، اس سے روکنے کی تدبیر کفار نے یہ نکالی کہ جب قرآن پڑھا جائے، ادھر کان مت دھرو اور اس قدر شوروغل مچاؤ کہ دوسرے بھی نہ سن سکیں، اس طرح ہماری بک بک سے قرآن کریم کی آواز دب جائے گی۔ آج بھی جاہلوں کوایسی ہی تدبیریں سوجھا کرتی ہیں کہ کام کی بات کوشور مچا کر سننے نہ دیا جائے؛ لیکن صداقت کی کڑک، مچھروں اور مکھیوں کی بھنبھناہٹ سے کہاں مغلوب ہوسکتی ہے؟ ان سب تدبیروں کے باوجود حق کی آواز قلوب کی گہرائیوں تک پہنچ کر رہتی ہے‘‘۔

مسلم امہ کی ذمہ داریاں

ایک ایسے وقت میں جب مسلم امہ کوکئی درپیش چیلنجز ہیں، مسلمانوں نے اس وقت بھی عالمی سطح پر احتجاجات درج کروائے ہیں، سویڈن کے سفیروں کوکئی ایک اسلامی ممالک سے بےدخل کردیا گیا ہے، اقوام متحدہ میں قرآن مجید کی بےحرمتی کے خلاف قرارداد منظور ہوئی ہے، عرب ممالک اور ترک سمیت بھارت نے بھی عالمی سطح پر توہینِ قرآن کی مذمت کی ہے؛ لیکن یہ ناکافی ہے۔ ہمیں بحیثیت مسلمان قرآن مجید کے احکام پرعمل پیرا ہونا ہوگا، قرآن مجید کی تلاوت کے ساتھ ساتھ اس کوسمجھ کر پڑھنے کی کوشش کرنی ہوگی غیرمسلموں تک قرآن مجید کے آفاقی پیغام کوپہنچانا ہوگا، عالمی سطح پر قرآن مجید کی توہین پرسخت سے سخت قوانین بنانے کے لیے متحد ہوکر مغرب سے مقابلہ کرنا ہوگا۔

اللهمَّ اجْعَلِ القرآنَ العظيمَ رَبِيْعَ قُلُوبِنَا
وجلاءَ أحزانِنا و ذهابَ همومِنَا وغُمُومِنا
وسائِقَنَا ودليلَنا إليك وإلى جناتِكَ جناتِ النعيم

۶۳ سالہ حیاتِ نبوی ﷺ کی ایک جھلک

از: مفتی محمد راشد ڈسکوی
دارالافتاء جامع مسجد اشتیاق، ڈسکہ، سیالکوٹ

سیدنا ومولانا حضرت محمد مصطفیٰ، احمد مجتبیٰ ﷺ کی ولادت باسعادت پیر کے روز صبح صادق کے وقت ربیع الاوّل، عام الفیل بمطابق اپریل ۵۷۱ء میں ہوئی، آپ ﷺ کی ولادت سے چند مہینے پہلے آپ ﷺ کے والدِ محترم ''عبداللہ'' کی وفات ہوگئی، آپ کے دادا جان ''عبدالمطلب'' کی طرف سے آپ ﷺ کا اسمِ گرامی ''محمد بن عبداللہ بن عبدالمطلب'' ہے اور آپ کی والدہ محترمہ ''آمنہ'' کی طرف سے آپ کا نام ''احمد'' تجویز ہوا۔ ابولہب کی آزاد کردہ باندی ''ثویبہ رضی اللہ عنہا'' کے چند دن دودھ پلانے کے بعد شرفاءِ قریش کی عادت کے مطابق آپ ﷺ کو ''حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا'' کی رضاعت میں دے کر مضافاتِ مکہ میں بھیج دیا، اس وقت آپ ﷺ آٹھ دن کے تھے۔

ولادت کے چوتھے سال شقِ صدر کا واقعہ پیش آیا، مؤرخین لکھتے ہیں کہ شق صدر کا واقعہ چار بار پیش آیا، ایک: زمانہ طفولیت میں حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا کے پاس، دوسری بار دس سال کی عمر میں پیش آیا۔ (فتح الباری:۴۸۱/۱۳) تیسری بار: واقعہ بعثت کے وقت پیش آیا۔ (مسند أبي داؤد الطيالسي، ص:۲۱۵) اور چوتھی بار: واقعۂ معراج کے موقع پر۔ (صحیح البخاری، رقم الحدیث:۳۴۹)۔ بعض نے بیس سال کی عمر میں پانچویں بار کا شق صدر بھی ذکر کیا ہے؛ لیکن وہ صحیح قول کے مطابق ثابت نہیں ہے (سیرۃ مصطفیٰ ﷺ:۷۵/۱)۔ جب چار سال کی عمر میں ''حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا'' کے پاس شقِ صدر ہوا تو وہ آپ کو آپ کی والدہ کے پاس مکہ واپس چھوڑ آئیں۔ اس کے بعد آپ ﷺ اپنی والدہ ماجدہ کی پرورش میں ہی رہے۔

ولادت کے چھٹے سال آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ ماجدہ حضرت آمنہ نے اپنے میکے میں ایک ماہ کا قیام کیا، وہاں سے واپسی پر مقام اَبواء میں ان کا انتقال ہوا اور وہیں مدفون ہوئیں۔ (شرح المواہب للزرقانی:۱۶۰/۱)

ولادت کے ساتویں سال آپ اپنے دادا عبدالمطلب کی تربیت میں پروان چڑھتے رہے۔

ولادت کے آٹھویں سال ''دادا محترم'' کا انتقال ہوگیا، دادا کے انتقال کے بعد آپ اپنے چچا ''ابوطالب'' کی پرورش میں آگئے۔ (طبقات ابن سعد:۱/۷۴)

ولادت کے بارھویں سال آپ نے اپنے چچا کے ساتھ شام کے پہلے تجارتی سفر میں شرکت کی، اسی سفر میں بحیرہ راہب نے آپ ﷺ کی نبوت کی پیشین گوئی بھی کی۔ (الخصائص الکبری:۱/۸۴)

ولادت کے چودھویں سال یا پندرہویں سال اور بعض روایات کے مطابق بیسویں سال عربوں کی مشہور لڑائی ''حرب الفجار'' پیش آئی، اس جنگ میں آپ ﷺ اپنے بعض چچاؤں کے اصرار پر شریک تو ہوئے؛ لیکن قتال میں حصہ نہیں لیا۔ (روض الانف:۱/۱۲۰)

ولادت کے سولہویں سال آپ ﷺ نے اہل مکہ کے ''حلف الفضول'' نامی معاہدے میں شرکت کی۔

ولادت کے پچیسویں سال آپ ﷺ نے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کا مال لے کر تجارت کا دوسرا سفر شام کی طرف کیا، سفر سے واپسی پر اس سفر میں پیش آنے والے واقعات، تجارتی نفع اور آپ ﷺ کے اخلاق و واقعات سن کر دو مہینہ اور پچیس روز کے بعد حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے آپ کو نکاح کا پیغام بھجوا کر آپ سے نکاح کرلیا۔ (طبقات ابن سعد:۱/۸۳)

ولادت کے پینتیسویں سال آپ ﷺ نے بیت اللہ کی ہونے والی تیسری تعمیر کے وقت حجرِ اسود کو اپنے دستِ اقدس سے نصب فرما کر خانہ جنگی کے لیے کمر بستہ قبائل قریش کے درمیان باہمی محبت والفت پیدا فرمادی اور اس کٹھن مرحلے کو بحسن وخوبی انجام خیر تک پہنچایا۔ (سیرت ابن ہشام:۱/۶۵)

حیات طیبہ کے انتالیس سالوں میں آپ ﷺ کا کردار ایسا بے مثال رہا کہ اپنے تو اپنے؛ غیروں کی زبان پر آپ ﷺ کے بارے میں تھا کہ آپ ﷺ صادق اور امین ہیں۔

ولادت کے چالیسویں سال بالخصوص آپ ﷺ نے زیادہ وقت غارِ حرا میں گذارا، یہاں ہی آپ کے سر پر نبوت کا تاج رکھا گیا۔ وحی کا سلسلہ شروع ہوا۔

حیاتِ نبوی ﷺ کا مکی دور

نبوت کے پہلے سال غارِ حرا میں آپ ﷺ پر سورۂ علق کی پہلی پانچ آیتیں نازل ہوئیں، (شرح المواہب:۱/۲۰۷) باتفاق مؤرخین آپ کو نبوت اتوار کے دن عطا ہوئی؛ لیکن مہینہ کے بارے میں مؤرخین

کا اختلاف ہے، ابن عبدالبرؒ کے نزدیک آٹھ ربیع الاول کو نبوت سے سرفراز ہوئے، اس قول کی بنا پر بوقت بعثت آپ کی عمر چالیس سال تھی؛ جب کہ ابن اسحاقؒ کے قول کے مطابق سترہ رمضان کو آپ کو نبوت ملی، اس قول کے مطابق بوقتِ بعثت آپ کی عمر چالیس سال اور چھ ماہ تھی، حافظ ابن حجرؒ نے اسی قول کو ترجیح دی ہے۔ (فتح الباری، کتاب التعبیر :۱۲/۳۱۳)

نبوت کے دوسرے سال حضرت خدیجہ، حضرت ورقہ بن نوفل، حضرت علی، حضرت ابوبکر صدیق، حضرت جعفر بن ابی طالب، حضرت عفیف کندی، حضرت طلحہ، حضرت سعد بن ابی وقاص، حضرت خالد بن سعید، حضرت عثمان بن عفان، حضرت عمار، حضرت صہیب، حضرت عمرو بن عنبسہ اور زید بن حارثہ رضی اللہ عنہم اجمعین آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائے۔ یہ سب اور کچھ دیگر حضرات صحابہ ''سابقین اولین صحابہ'' کہلاتے ہیں۔

نبوت کے تیسرے سال آپ ﷺ کے متبنّیٰ حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کے بیٹے حضرت اسامہ کی ولادت ہوئی۔

نبوت کے چوتھے سال آپ ﷺ کو علی الاعلان دعوتِ دین دینے کا حکم ہوا، جس کی بنا پر کفار خصوصاً قریش کی طرف سے بھی کھلم کھلا دشمنی، اور بغض وعداوت کا مظاہرہ ہونے لگا اور اسی سال حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی ولادت ہوئی۔

نبوت کے پانچویں سال حبشہ کی طرف پہلی اور پھر دوسری ہجرت ہوئی، پہلی ہجرت میں گیارہ مرد اور پانچ عورتیں شامل تھیں۔ (فتح الباری:۱/۱۸۰) اور دوسری ہجرت میں چھیاسی مرد اور سولہ عورتیں شامل تھیں۔ (سیرۃ ابن ہشام:۱/۱۱۱) اسی سال حضرت سمیہ رضی اللہ عنہا کو ابوجہل ملعون نے شہید کیا، یہ اسلام کی خاطر شہید ہونے والی پہلی خاتون ہیں۔

نبوت کے چھٹے سال آپ ﷺ کے چچا حضرت حمزہ اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما مشرف بہ اسلام ہوئے اور ان کی برکت سے مسجدِ حرام میں نماز اعلانیہ ادا کی گئی۔ (شرح المواہب:۱/۲۷۶)

نبوت کے ساتویں سال مقاطعۂ قریش کا واقعہ پیش آیا، آپ علیہ السلام کے ساتھ بنو ہاشم اور بنو مطلب شعب ابی طالب میں محصور کردیے گئے، اسی دوران آپ ﷺ کے چچازاد بھائی عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی ولادت ہوئی۔ (روض الانف:۱/۲۳۲)

نبوت کے آٹھویں سال مشرکین مکہ کے مطالبہ پر شقِ قمر کا بے مثال معجزہ رونما ہوا۔ (البدایہ والنہایہ:۳/۱۱۸)

نبوت کے نویں سال بھی شعب ابی طالب میں ہی محصور رہے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی حبشہ روانگی ہوئی۔

نبوت کے دسویں سال مقاطعہ ختم ہوا (طبقات ابن سعد: ۱/۱۳۹)۔ اور اسی سال آپ ﷺ کے چچا ابوطالب کا انتقال ہوا۔ ان کے انتقال کے تقریباً تین یا پانچ دن بعد حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کا انتقال ہوا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سال کو ''عام الحزن'' قرار دیا (شرح المواہب: ۱/۲۹۱)۔ اسی سال آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا نکاح حضرت سودہ بنت زمعہ رضی اللہ عنہا سے ہوا، اور اسی سال حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا آپ ﷺ کے نکاح میں آئیں؛ لیکن رخصتی نہیں ہوئی۔ اور اسی سال واقعۂ طائف بھی پیش آیا (البدایہ والنہایہ: ۳/۱۳۵)۔

نبوت کے گیارہویں سال مدینہ سے آنے والے حاجیوں میں سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت سے قبیلۂ خزرج کے تقریباً چھ آدمی مشرف بہ اسلام ہوئے، اس سے انصار کے اسلام کا آغاز ہوا (البدایہ والنہایہ: ۳/۱۴۸)۔

نبوت کے بارہویں سال آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو معراج ہوئی اور اسی موقع پر امت پر پانچ نمازیں فرض ہوئیں۔ اسی سال بیعت عقبۂ اولیٰ ہوئی۔ اس میں ۱۲ اَفراد مشرف بہ اسلام ہوئے۔ (شرح المواہب: ۱/۳۱۶)

نبوت کے تیرھویں سال بیعت عقبۂ ثانیہ ہوئی، جس میں ۷۳ مرد اور ۲ عورتوں نے اسلام قبول کیا۔ اسی سال مسلمانوں کو مدینہ کی طرف ہجرت کرنے کی اجازت مل گئی۔ اسی سال قریش نے نعوذ باللہ آپ ﷺ کے قتل کا منصوبہ بنایا۔ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے آکر آپ ﷺ کو قریش کی سازش سے آگاہ کرتے ہوئے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو یہاں سے ہجرت کرنے کی اجازت دے دی۔ اجازت ملنے پر آپ ﷺ نے حضرت ابوبکر صدیق ص کو ساتھ لے کر مدینہ کی طرف ہجرت فرمائی۔

حیاتِ نبوی ﷺ کا مدنی دور

جناب نبی اکرم ﷺ کی ہجرت کے بعد کی حیاتِ مبارکہ کا دور ''مدنی دور'' کہلاتا ہے، یہ بڑا تابناک دور ہے جس میں آپ علیہ السلام کی اَن تھک کوششوں، محنتوں اور قربانیوں کے سبب اسلام کو غلبہ ہی غلبہ ملا، آپ علیہ السلام کی جانثار جماعتِ قدسیہ کے سرفروشوں نے اسلام کی نشر واشاعت کے

لیے آپ علیہ السلام کے اشاروں پر اپنا تن من دھن سب کچھ لٹا دیا۔ رضی اللہ عنہم اجمعین۔ آپ علیہ السلام کے اس بے مثال دور کا نقشہ کھینچنے کی منظر کشی اتنی طویل ہے کہ شاید کئی ضخیم مجلدات کا پیٹ بھی اس موضوع کو اپنے میں نہ سما سکے، ذیل میں بہت ہی اختصار کے ساتھ ہجرت کے بعد کی زندگی کو اشارۃً بطورِ ایک جھلک کے پیش کیا جاتا ہے۔

ہجرت کا پہلا سال: آپ ﷺ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ہمراہ تین دن تک غارِ ثور میں رُوپوش رہنے کے بعد یکم ربیع الاوّل مدینہ کی جانب ہجرت کی، اسلام کی پہلی مسجد مسجدِ قبار کی بنیاد رکھی، مدینے کے یہودی اور آس پاس کے رہنے والے قبیلوں سے امن اور دوستی کے عہد نامے ہوئے۔ اسی سال حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ مشرف بہ اسلام ہوئے۔ اسی سال مسجد نبوی کی بھی تعمیر کی گئی۔ اذان واقامت کی ابتداء بھی کی گئی۔ انصار اور مہاجرین کے درمیان ایک مثالی بھائی چارہ قائم ہوا، جس کی نظیر تاریخ عالم میں نہیں مل سکتی۔ اسی سال شوال میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی رخصتی بھی ہوگئی؛ جب کہ ایک قول ۲/ ہجری میں رخصتی کا بھی ملتا ہے۔

ہجرت کے دوسرے سال علی اختلاف الروایہ مسلمانوں پر جہاد فرض ہوا، رمضان کے روزے، زکوٰۃ، صدقۃ الفطر اور عیدین کی نمازیں فرض ہوئیں۔ مسجد اقصیٰ کے بجائے بیت اللہ کو جہتِ قبلہ قرار دیا گیا۔ حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا کا نکاح حضرت علی المرتضیٰ کَرَّمَ اللّٰہُ وَجْہَہٗ سے ہوا۔ آپ ﷺ کی لختِ جگر حضرت رُقیہ رضی اللہ عنہا کا وصال بھی اسی سال ہوا۔ حق وباطل کا پہلا غزوۂ بدر بھی اسی سال پیش آیا۔

ہجرت کے تیسرے سال آپ ﷺ کا حضرت حفصہ بنت فاروق رضی اللہ عنہا سے اور اس کے بعد حضرت زینب بنت خزیمہ رضی اللہ عنہا سے نکاح ہوا۔ اسی سال حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما کی ولادت ہوئی، آپ کی لختِ جگر حضرت اُم کلثوم رضی اللہ عنہا کا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے نکاح ہوا۔ گستاخانِ رسول کعب بن اشرف اور ابورافع کو جہنم رسید کیا گیا۔ اسی سال غزوۂ اُحد کا واقعہ پیش آیا۔

ہجرت کے چوتھے سال بنونضیر کی جلاوطنی ہوئی۔ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی ولادت ہوئی، اسی سال آپ ﷺ کا حضرت ام سلمہ اور زینب بنت خزیمہ رضی اللہ عنہما سے نکاح ہوا۔ اور شراب کے حرام ہونے کا حکم بھی اسی سال نازل ہوا۔

ہجرت کے پانچویں سال شرعی پردہ کا حکم نازل ہوا، زنا کی سزا کا حکم ہوا، صلاۃ الخوف کی مشروعیت ہوئی، تیمّم کی اجازت ملی، واقعۂ افک ہوا اور اماں عائشہ رضی اللہ عنہا کی شانِ براءت میں

سورۃ النور کی کئی آیات نازل ہوئیں۔آپ ﷺ کا حضرت جویریہ بنت حارث اور حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہما سے نکاح ہوا۔غزوہ خندق،غزوہ بنی مصطلق اور غزوۂ بیر معونہ پیش آیا،جس میں ۷۰ حفاظ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو دھوکے سے شہید کیا گیا۔

ہجرت کے چھٹے سال سورۃ الفتح نازل ہوئی۔اسی سال حدیبیہ کی صلح ہوئی،آپ ﷺ ۱۴۰۰ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کے ہمراہ عمرہ کے لیے روانہ ہوئے،صلح حدیبیہ سے واپسی کے بعد دیگر ممالک کے بادشاہوں کو دعوتی خطوط روانہ فرمائے۔آپ کا حضرت ام حبیبہ بنت ابوسفیان رضی اللہ عنہا سے نکاح ہوا۔اسی سال مدینہ منورہ میں قحط پڑا جو آپ ﷺ کی دعا سے دور ہوا۔اسی سال نجاشی بادشاہ کی وفات ہوئی اور آپ ﷺ نے غائبانہ ان کی نماز جنازہ پڑھی۔

ہجرت کے ساتویں سال غزوۂ خیبر پیش آیا۔اسی غزوہ میں متعہ اور گدھوں کی حرمت کا حکم نازل ہوا۔اس غزوہ سے واپسی پر لیلۃ التعریس کا واقعہ پیش آیا،جس میں پورے لشکر کی نماز فجر قضا ہوگئی۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے اسلام قبول کیا۔ایک یہودی عورت زینب بنت حارث کی طرف سے آپ ﷺ کو زہر دینے کی کوشش کی گئی،آپ ﷺ کا حضرت میمونہ بنت حارث اور حضرت صفیہ بنت حیی رضی اللہ عنہن سے نکاح ہوا،حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا آپ ﷺ کی آخری زوجہ ہیں۔آپ ﷺ نے عمرہ القضاء فرمایا۔

ہجرت کے آٹھویں سال حضرت خالد بن ولید اور عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما مشرف بہ اسلام ہوئے،غزوۂ موتہ اور فتح مکہ کا عظیم الشان واقعہ پیش آیا۔حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ مشرف بہ اسلام ہوئے۔غزوۂ حنین وطائف ہوا۔حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے والد ابوقحافہ رضی اللہ عنہ نے اسلام قبول کیا۔اسی سال آپ ﷺ کی باندی حضرت ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا کے بطن سے آپ ﷺ کے صاحب زادے حضرت ابراہیم پیدا ہوئے۔اور اسی سال آپ ﷺ کی سب سے بڑی بیٹی حضرت زینب رضی اللہ عنہا کی وفات ہوئی۔

ہجرت کے نویں سال غزوۂ تبوک پیش آیا اور اس غزوہ سے واپسی پر منافقین کی بنائی ہوئی مسجد ضرار کو منہدم کردیا گیا۔رئیس المنافقین عبداللہ بن اُبی ابن سلول کی موت ہوئی۔اس سال ستر/۷۰ سے زائد وفود آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔سورۃ التوبہ نازل ہوئی۔اسی سال آپ ﷺ نے اپنی ازواج سے ''ایلا'' کیا،یعنی: قسم کھائی کہ ایک مہینہ تک تمہارے قریب نہیں آؤں گا۔اسی سال آپ ﷺ گھوڑے سے گرے،جس کی وجہ سے دائیں پہلو اور پنڈلی پر خراش آئی،آپ ﷺ کی

صاحبزادی حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا کی وفات ہوئی۔اسی سال حج فرض ہوا،حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کوامیرالحج بنا کر تین سوافراد کے ساتھ حج کے لیے بھیجا گیا۔

ہجرت کے دسویں سال مسیلمہ کذاب نے اوراسود عنسی نے بھی نبوت کا دعویٰ کیا۔اسی سال آپ ﷺ کے صاحبزادے حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ کی وفات ہوئی۔اسی سال آپ ﷺ حج کے لیے تشریف لے گئے۔ حجۃ الوادع کے موقع پر آپ ﷺ نے خطبہ دیا۔اس خطبے میں آپ کی تمام ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن موجود تھیں،جن کی تعداد (۹) تھی۔اور صحابۂ کرامؓ کی تعداد ۱۰۰۰۰۰ (ایک لاکھ) سے متجاوز تھی۔ اس موقع پر اسلام کے سارے اصول سمجھا دیے گئے۔ جاہلیت کی رسموں کواورشرک کی باتوں کوملیامیٹ فرمادیا گیا۔

ہجرت کے گیارہویں سال صفر کے مہینے ۲۶/تاریخ کو پیر کے دن آپ ﷺ نے رومیوں کے خلاف جہاد کے لیے اپنی حیات مبارکہ کا آخری لشکر ''جیشِ اسامہ'' ترتیب دیا، بدھ کے دن مرض الوفات کا آغاز ہوا،جمعرات کے دن بیماری کی حالت میں ہی اس لشکر کواپنے دستِ مبارک سے علم بنا کر دیا اوراسے روانہ کیا۔جمعرات کو ہی مرض میں شدت ہوگئی تو لشکر مدینہ سے ایک کوس دور مقام جرف میں رکا رہا،اسی دن حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کوامامت کے لیے متعین کیا گیا۔ پھر پیر کے دن آپ ﷺ امت کوالوداع کہتے ہوئے، پوری امتِ مسلمہ؛ بلکہ پوری کائنات کویتیم کرتے ہوئے،اپنے محبوبِ حقیقی اللہ جل جلالہٗ سے جاملے۔ إنا للّٰہ وإنا إلیہ راجعون.

* * *

ماہ ربیع الاوّل — فضائل واحکام

از: مفتی محمد راشد ڈسکوی
دارالافتاء جامع مسجد اشتیاق، ڈسکہ، سیالکوٹ

ربیع کے معنی ''بہار'' اور اوّل کے معنی ''ابتداء اور پہلا'' ہیں۔ یعنی: موسم بہار کی ابتداء، یا موسم بہار کے شروع کا زمانہ جس میں کلیاں چٹکیں اور پھول کھلتے ہیں اور موسم بہار کا آخری زمانہ جس میں پھل پک جاتے ہیں، اسے ''ربیع الآخر'' یا ''ربیع الثانی'' کہتے ہیں۔ ربیع الاول اسلامی سال کا تیسرا مہینہ ہے۔

نبی ﷺ کی ولادت اور وفات

مشہور قول کے مطابق ماہ ربیع الاول میں ہمارے پیارے نبی ﷺ کی ولادت بھی ہوئی اور وفات بھی۔ سب کا اس بات پر اتفاق ہے آپ ﷺ کی ولادت عام الفیل میں ہوئی، اور ولادت اور وفات دونوں کا دن پیر کا تھا؛ البتہ! مہینے کے بارے میں ربیع الاول کے ساتھ ساتھ ماہِ رمضان المبارک کا بھی قول ہے، اور ولادت و وفات؛ دونوں کس تاریخ میں ہوئیں، اِس میں اختلاف ہے۔ تاریخ ولادت کے بارے میں دو، آٹھ، دس، اور بارہ تاریخ کے اقوال اکثر ائمہ نے ذکر کیے ہیں۔ [تہذیب الأسماء واللغات] اس کے علاوہ یکم، سترہ، اٹھارہ، بائیس کے اقوال بھی ملتے ہیں۔ فلکی حسابات وغیرہ کے ذریعے یہ بات تو طے ہے کہ قطعی طور پر بارہ ربیع الاوّل کو تاریخ ولادت قرار دینا درست نہیں ہے، اکثر حضرات نے آٹھ ربیع الاول کو ترجیح دی ہے۔ قطعی اور صحیح علم تو اللہ کو ہی ہے۔

وفات نبوی ﷺ کے بارے میں یہ بات تو متفقہ ہے کہ پیر کے دن اور ربیع الاول کو ہوئی؛ لیکن اس کی تاریخ میں بھی اختلاف ہے، اس بارے میں دو، بارہ، تیرہ، چودہ، اور پندرہ ربیع الاول کا قول زیادہ ملتا ہے۔

اور مشہور قول بارہ ربیع الاول کا ہے، حافظ ابن کثیرؒ نے حضرت جابر اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہم سے نقل کیا ہے: "وُلِدَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ عَامَ الْفِيلِ يَوْمَ الإِثْنَيْنِ الثَّانِي عَشَرَ مِنْ شَهْرِ رَبِيعٍ الْأَوَّلِ وَفِيهِ بُعِثَ وَفِيهِ عُرِجَ بِهِ إِلَى السَّمَآءِ وَفِيهِ هَاجَرَ وَفِيهِ مَاتَ". [البداية

والنهاية: ۳/۳۷۵] اگرچہ ابن کثیرؒ نے اس کی سند کو منقطع کہا ہے؛ مگراس کے الفاظ "وَفِيهِ هَاجَرَ وَفِيهِ مَاتَ" کو دیکھتے ہوئے جمہور سیرت نگاروں نے بارہ ربیع الاول ہی کو یوم وفات مانا ہے۔ [تاریخ امت مسلمہ:۱/۳۹۱] بہت سارے حضرات نے دو ربیع الاول کے قول کو بھی ترجیح دی ہے۔

دراصل نبی ﷺ کی تاریخ ولادت یا تاریخ وفات کے ساتھ متعین طور پر امت کے لیے کوئی خاص غمی یا خوشی کا حکم وابستہ نہیں تھا؛ اس لیے ان تاریخوں کی حفاظت کے لیے تکوینی طور پر ہی اللہ تعالیٰ کی جانب سے کوئی خاطر خواہ انتظام نہیں کروایا گیا؛ چنانچہ اگر نبی ﷺ کے بعد یا آپ کے دور میں ہی ان تاریخوں میں جشنِ ولادت رسول وغیرہ کا کوئی اہتمام یا رواج ہوتا تو یقیناً تاریخوں کا یہ اختلاف نہ ہوتا۔ باوجود ے کہ وحی کے ذریعے من جانب اللہ بھی اور منجانب نبی بھی تاریخ ولادت کو بتادینا ممکن تھا؛ لیکن ایسا نہیں ہوا، اور یہ بات بھی ممکن نہیں کہ نبی ﷺ نے بتایا ہو؛ لیکن آپ ﷺ کے صحابہؓ کو یاد نہ رہا ہو۔

ماہ ربیع الاول کی فضیلت

ولادت نبی ﷺ کی وجہ سے یہ مہینہ یقیناً معظم ومحترم اور شرافت، برکت وفضیلت والا ہے۔

شاعر نے کیا خوب کہا ہے:

ربيعٌ في ربيعٍ في ربيعٍ ونورٌ فوقَ نورٍ فوقَ نورٍ

ایک بہار میں دوسری بہار اور دوسری میں تیسری بہار جمع ہے، اور نور کے اوپر نور اور اس کے اوپر پھر نور ہے۔ اس شعر میں پہلے ربیع سے مراد نبی ﷺ ہیں، دوسرے سے مراد موسم بہار ہے، اور تیسرے سے مراد ماہِ ربیع الاول ہے۔ یعنی: ولادت نبی ﷺ بھی موسم بہار کی طرح ہے، زمانہ بھی حقیقت میں بہار کا تھا اور ربیع الاول کا مہینہ تھا، اس طرح تین بہاریں جمع ہوگئی تھیں۔ بہر حال اس مہینے کے فضیلت والے ہونے کے باوجود اس مہینے میں کسی مخصوص عمل کو متعین نہیں کیا گیا۔

ماہ ربیع الاول کی فضیلت حاصل کرنے کا طریقہ

اب اس مہینے کی فضیلت وشرف حاصل کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ خصوصیت سے اس مہینے میں نبی ﷺ کی سیرت پر چلنے کا ارادہ کیا جائے، گناہوں کو ترک کیا جائے، نہ یہ کہ اس ماہ میں پہلے سے بھی زیادہ گناہوں کے اندر ابتلاء ہوجائے، جیسا کہ ماہ ربیع الاول بالخصوص 12 ربیع الاول کو مشاہدہ ہوتا ہے۔

ماہ ربیع الاول کی رسومات وخرافات

[✻] ۱۲/ربیع الاول کو اجتماعی قرآن خوانی کی مجالس کا اہتمام کرنا کئی مفاسد پر مشتمل ہونے کی وجہ سے ناجائز ہے۔ مثلاً:

۱- ایصالِ ثواب کے لیے قرآن مجید پڑھنے کے لیے ایک جگہ اکٹھے اور جمع ہونا ضروری نہیں؛ لیکن اس موقع پر اس اجتماع کو ضروری خیال کیا جاتا ہے، اور باقاعدہ اس مقصد کے لیے جمع کیا جاتا ہے۔

۲- قرآن مجید پڑھ کر یا کسی بھی نیک عمل کے ذریعے ایصالِ ثواب کے لیے اپنی طرف سے کسی خاص دن یا تاریخ کو متعین کر لینا درست نہیں ہے؛ جب کہ یہاں ایسا ہی کیا جاتا ہے۔

۳- ایصالِ ثواب کے لیے پڑھا جانے والا قرآن اخلاص سے پڑھنا ضروری ہے؛ جب کہ یہاں اس قرآن خوانی کے بعد کچھ نہ کچھ کھلانا پلانا ضروری سمجھا جاتا ہے۔

[❋] بارہ ربیع الاول کو کھانا کھلانا اور سبیلیں لگانا۔

[❋] ربیع الاول میں قبرستان جانا، قبروں پر لیپ کرنا، چادر اور پھول چڑھانا۔

[❋] بارہ ربیع الاول کا روزہ مسنون یا مستحب نہیں ہے، «البتہ پیر کا روزہ ثابت ہے؛ لیکن اس کا بارہ ربیع الاول سے کوئی تعلق نہیں ہے»۔

[❋] بارہ ربیع الاول کو کاروبار کرنا حرام نہیں ہے۔

[❋] عیسائیوں کے کرسمس کے مشابہ اس دن کے جشن کا اہتمام ہوتا ہے۔

[❋] کیک کاٹا جاتا ہے۔

[❋] نماز عید میلاد النبی ادا کی جاتی ہے۔

[❋] پوری پوری رات گاڑی پر بڑے بڑے اسپیکرز لگا کر مختلف پروگرام میوزک اور بلا میوزک پیش کیے جاتے ہیں۔

[❋] روافض کے طرز پر اب بیت اللہ اور روضۂ رسول اللہ ﷺ کی شبیہ بنائی جاتی ہے۔

[❋] نوجوان لڑکیاں بے پردہ خلاف شرع لباس پہن کر نکلتی ہیں۔

[❋] جلوس والی جگہ پر مرد وزن کا اختلاط ہوتا ہے۔

[❋] میوزک وموسیقی کا استعمال ہوتا ہے۔

[❋] بارہ ربیع الاول کو عید کا دن قرار دینا؛ جب کہ دونوں قسم کی عیدین میں فرق ہے، مثلاً: عید کے دن کی مشروعیت ہم مسلمانوں کے ہاں دین وشرع شریف سے ثابت ہے، "قد أبدلكم بهما خيرا منهما؛ يوم الأضحىٰ ويوم الفطر"، عیدین میں روزہ رکھنا ناجائز ہے، عید میلاد النبی میں روزے کی ممانعت نہیں ہے۔ عیدین میں نماز عید مشروع ہے؛ جب کہ عید میلاد النبی میں نماز عید خود ساختہ ہے۔ عیدین میں شرعاً کئی مسنون اعمال ثابت ہیں؛ جب کہ عید میلاد النبی میں ایسے کوئی

اعمال شریعت میں نہیں ملتے۔ الغرض اس دن کو عید قرار دینا نبی کریم ﷺ کے مقابلے میں ایک نیا حکم لانے کے مترادف ہے۔ پھر یہ مہینہ محض ولادت کا نہیں ہے؛ بلکہ وفات کا بھی ہے تو پھر اس مہینے میں جشن کے کیا معنی؟ یعنی: ہر سال عید میلاد النبی کے نام سے جشن منانا اور اس مہینے میں ہی نبی ﷺ کے وصال کو نظر انداز کر دینا یقیناً عقلمندی نہیں۔

[❋] رنگین روشنیوں سے گلی محلوں کو دلہن کی طرح سجایا جاتا ہے، اس کی قباحتیں درج ذیل ہیں:

۱- بعض جگہ اس کے لیے چوری کی بجلی استعمال کی جاتی ہے، ایسا شخص پوری قوم کا مجرم ہے۔

۲- بعض جگہ اس کا چندہ کیا جاتا ہے۔

۳- اِسراف وتبذیر کا گناہ لازم آتا ہے۔

۴- اور یہ سب کچھ دین اور ثواب کے نام ہوتا ہے۔

[❋] بے ریش بچوں اور بچیوں کا نعتیں پڑھنا، اس میں بھی کئی مفاسد ہیں؛ البتہ! اگر درج ذیل باتوں کا لحاظ رکھتے ہوئے نعتیں پڑھی جائیں تو بلاشبہ کوئی حرج نہیں:

۱- نعتوں کے مضامین صحیح ہوں۔

۲- پڑھنے والے اَمرد یعنی: بے ریش اور قریب البلوغ یا بالغہ بچیاں نہ ہوں۔

۳- میوزک کے بغیر ہوں۔

۴- گانوں کے طرز پر نہ ہوں۔

۵- نام ونمود اور ریاکاری یا کسی غرضِ فاسد سے نہ پڑھی جائیں۔

۶- اس کے مضامین میں نبی کریم ﷺ کی تعریف کرتے ہوئے غلو نہ کیا گیا ہو، مثلاً:

''اللہ کے قبضے میں وحدت کے سوا کیا ہے؟
جو کچھ ہمیں لینا ہے، لے لیں گے محمد سے
مختارِ کل ہو، مالک روز جزا ہو تم
رحمت کا ہے مقام کہ خاصِ خدا ہو تم''

ایسی نعتیں ہرگز جائز نہیں، اللہ تعالیٰ ہم مسلمانوں کو بدعات، رسومات اور خرافات سے بچائیں اور سنتِ نبوی پر عمل کی توفیق نصیب فرمائیں!

❋ ❋ ❋

اذان اور مؤذن کی فضیلت

از: مولانا خورشید عالم داؤد قاسمی
مون ریز ٹرسٹ اسکول، زامبیا، افریقہ

اسلام میں اذان اور مؤذن کی بڑی فضیلت واہمیت ہے۔ ہماری مساجد میں ایسے شخص کو امام و مؤذن بنانا چاہیے جو نیک وصالح ہو اور اذان وامامت کے مسائل سے بخوبی واقف ہو۔ مؤذن ایسا آدمی ہو جو اذان کے کلمات کو، صحیح مخارج کے ساتھ ادا کرتا ہو؛ مگر مؤذن کے حوالے سے مسجد کمیٹی کے اراکین عام طور پر بالکل بے حس ہوتے ہیں۔ مسجد کمیٹی کسی بھی آدمی کو جو کم سے کم تنخواہ میں، اذان کے ساتھ ساتھ مسجد کی صفائی وغیرہ کی ذمہ داری قبول کرلے، بطور مؤذن تقرر کرلیتی ہے۔ اذان دینا اتنا افضل اور اہم کام ہے کہ اس کے لیے ہمیں اچھے اور نیک آدمی کا انتخاب کرنا چاہیے۔ حدیث میں جو رہنمائی ملتی ہے وہ یہی ہے کہ اذان کے لیے نیک اور صالح آدمی کو منتخب کرنا چاہیے۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: لِيُؤَذِّنْ لَكُمْ خِيَارُكُمْ، وَلْيَؤُمَّكُمْ قُرَّاؤُكُمْ. (سنن ابی داؤد: ۵۹۰) ترجمہ: ''تمھارے لیے وہ آدمی اذان دے جو تم میں بہتر (نیک وصالح) ہو اور تمھارے لیے وہ آدمی نماز پڑھائے جو تم میں سب سے اچھا قرآن پڑھتا ہو''۔

اذان سے شیطان کا پیٹھ پھیر کر بھاگنا

شیطان کو اذان سے بڑا ڈر لگتا ہے؛ اس لیے شیطان جوں ہی اذان کی آواز سنتا ہے، وہ خوف سے اتنی دور بھاگ جاتا ہے کہ اذان کی آواز نہ سننی پڑے۔ اس کے بھاگنے کی محدثین نے ایک وجہ یہ بھی لکھی ہے جو بھی اذان کی آواز سنے گا، اسے قیامت کے دن، مؤذن کے حق میں گواہی دینی پڑے گی۔ شیطان گواہی نہیں دینا چاہتا؛ اس لیے وہ اذان شروع ہوتے ہی اتنی دور بھاگ جاتا ہے کہ وہ اذان نہ سن سکے۔ اس سے ہمیں ایک اہم سبق ملتا ہے کہ ہم جوں ہی اذان کی آواز سنیں، سارے

دنیوی کام چھوڑ کر مسجد کا رخ کریں۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "إِذَا نُودِيَ لِلصَّلَاةِ أَدْبَرَ الشَّيْطَانُ، وَلَهُ ضُرَاطٌ، حَتَّى لَا يَسْمَعَ التَّأْذِينَ، فَإِذَا قَضَى النِّدَاءَ أَقْبَلَ، حَتَّى إِذَا ثُوِّبَ بِالصَّلَاةِ أَدْبَرَ، حَتَّى إِذَا قَضَى التَّثْوِيبَ أَقْبَلَ، حَتَّى يَخْطِرَ بَيْنَ المَرْءِ وَنَفْسِهِ، يَقُولُ: اذْكُرْ كَذَا، اذْكُرْ كَذَا، لِمَا لَمْ يَكُنْ يَذْكُرُ حَتَّى يَظَلَّ الرَّجُلُ لَا يَدْرِي كَمْ صَلَّى". (صحیح بخاری:۶۰۸) ترجمہ: ''جب نماز کے لیے اذان دی جاتی ہے، تو شیطان پیٹھ پھیر کر ریح خارج کرتا ہوا بھاگتا ہے، تا آں کہ وہ اذان کی آواز نہیں سنتا۔ پھر جب اذان ختم ہوجاتی ہے، تو شیطان واپس آجاتا ہے۔ پھر جب تکبیر کہی جاتی ہے؛ تو پھر وہ پیٹھ پھیر کر بھاگتا ہے، پھر جب اقامت پوری ہوجاتی ہے، تو وہ پھر واپس آجاتا ہے؛ یہاں تک کہ (نمازی) آدمی کے دل میں وسوسہ ڈالتا ہے۔ وہ کہتا ہے: اس بات کو یاد کر، اس بات کو یاد کر، جو بات اس (نمازی) کو یاد بھی نہیں تھی، تا آں کہ اس (نمازی) آدمی کو یہ بھی یاد نہیں رہتا کہ نماز کی کتنی رکعتیں اس نے ادا کی۔

اذان کے لیے لڑائی

اذان میں اللہ تعالیٰ نے وہ اجر عظیم رکھا ہے کہ اگر لوگوں کو اذان کے اجر وثواب کا پتہ چل جائے؛ تو وہ اذان دینے کے لیے آپس میں لڑائی کرنے لگیں اور تلوار تک نکال لیں۔ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "لَوْ يَعْلَمُ النَّاسُ مَا لَهُمْ فِي التَّأْذِينِ، لَتَضَارَبُوا عَلَيْهِ بِالسُّيُوفِ". (مسند احمد:۱۱۲۴۱) ترجمہ: ''اگر لوگوں کو معلوم ہوجائے کہ اذان میں ان کے لیے کیا ثواب ہے؛ تو وہ اس حوالے سے تلواروں کے ساتھ ایک دوسرے سے برسر پیکار ہوجائیں گے''۔

اذان سے جان ومال محفوظ

اسلام میں اذان کی بڑی اہمیت ہے۔ اگر کسی گاؤں یا شہر سے اذان کی آواز آتی ہے؛ تو اذان کی وجہ سے وہاں کے لوگوں کا خون، ان کی عزت وآبرو اور ان کے مال محفوظ ہوجاتے ہیں۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: "أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ إِذَا غَزَا بِنَا قَوْمًا، لَمْ يَكُنْ يَغْزُو بِنَا حَتَّى يُصْبِحَ وَيَنْظُرَ، فَإِنْ سَمِعَ أَذَانًا كَفَّ عَنْهُمْ، وَإِنْ لَمْ يَسْمَعْ أَذَانًا أَغَارَ عَلَيْهِمْ". (صحیح بخاری:۶۱۰) ترجمہ: ''جب نبی اکرم ﷺ ہمیں ساتھ لے کر کسی قوم اور قبیلہ کے خلاف جنگ کے لیے جاتے، آپ ﷺ حملہ نہیں کرتے تھے، یہاں تک کہ صبح ہوجاتی؛ جب کہ آپ ﷺ انتظار

کرتے ہوتے تھے۔اگر آپ ﷺ اذان کی آواز سنتے؛ تو اس قوم پر حملہ نہیں کرتے تھے۔اگر آپ ﷺ اذان کی آواز نہیں سنتے؛ تو اس قوم پر حملہ کرتے تھے۔

ایک حدیث میں ہے کہ جہاں صبح میں اذان دی جاتی ہے، وہاں کے لوگ شام تک اللہ پاک کی پناہ میں رہتے ہیں۔پھر جب شام میں اذان کہی جاتی ہے؛ تو وہاں کے لوگ صبح تک اللہ کی پناہ میں رہتے ہیں۔حضرت معقل بن یسار رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”أَيُّمَا قَوْمٍ نُودِيَ فِيهِمْ بِالْأَذَانِ صَبَاحًا إِلَّا كَانُوا فِي أَمَانِ اللّٰهِ حَتَّى يُمْسُوا، وَأَيُّمَا قَوْمٍ نُودِيَ عَلَيْهِمْ بِالْأَذَانِ مَسَاءً إِلَّا كَانُوا فِي أَمَانِ اللّٰهِ حَتَّى يُصْبِحُوا“. (المعجم الکبیر للطبرانی:۴۹۸) ترجمہ:”جب کسی قوم (کی بستی یا شہر) میں صبح کے وقت اذان پکاری جائے؛ تو وہ قوم شام تک اللہ کے امان میں رہتی ہے اور جب کسی قوم (کی بستی یا شہر) میں شام کے وقت اذان پکاری جائے؛ تو وہ قوم صبح تک اللہ کے امان میں رہتی ہے“۔

مؤذن کے لیے جنّ وانس کی گواہی اور استغفار

جو شخص کسی مسجد کا مؤذن ہے اور اذان دیتا ہے، چاہے سماج میں اس کی کوئی حیثیت نہیں ہے؛ لیکن اسلام کی نظر میں اس کی بڑی اونچی حیثیت ہے۔قیامت کے دن مؤذن بہت ہی زیادہ اجر و ثواب کا مستحق ہوگا۔ایک حدیث کے مطابق، اگر ایک چرواہا جنگل میں اذان دیتا ہے، تو جس جگہ تک اس چرواہے کی اذان کی آواز جائے گی، اس جگہ تک جو بھی مخلوق اس اذان کو سنے گی، وہ قیامت کے دن اس چرواہے مؤذن کے حق میں گواہی دے گی۔حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ نے عبداللہ سے کہا:

إِنِّي أَرَاكَ تُحِبُّ الغَنَمَ وَالبَادِيَةَ، فَإِذَا كُنْتَ فِي غَنَمِكَ، أَوْ بَادِيَتِكَ، فَأَذَّنْتَ بِالصَّلاَةِ فَارْفَعْ صَوْتَكَ بِالنِّدَاءِ، فَإِنَّهُ: لاَيَسْمَعُ مَدَى صَوْتِ المُؤَذِّنِ، جِنٌّ وَلاَ إِنْسٌ وَلاَ شَيْءٌ، إِلَّا شَهِدَ لَهُ يَوْمَ القِيَامَةِ. (صحیح بخاری:۶۰۹) ترجمہ:”میں دیکھتا ہوں کہ آپ بکری اور بیابان کو پسند کرتے ہیں؛ لہٰذا جب آپ اپنی بکری کے ساتھ ہوں یا بیابان میں ہوں، نماز کے لیے اذان دے رہے ہوں؛ تو بلند آواز سے اذان دیں؛ کیوں کہ جہاں تک مؤذن کی آواز جاتی ہے، وہاں تک جن وانس اور جو بھی چیز اسے سنتی ہے، قیامت کے دن مؤذن کے حق میں گواہی دے گی“۔

ایک حدیث میں ہے کہ اگر مؤذن کا گناہ اتنا زیادہ ہو کہ جہاں تک اس کی آواز پہنچتی ہے، وہاں تک پھیل جائے، پھر بھی اس کے گناہ معاف کردیے جائیں گے۔حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ

بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا: ''اَلْمُؤَذِّنُ يُغْفَرُلَهُ، مَدَى صَوْتِهِ، وَيَسْتَغْفِرُ لَهُ كُلُّ رَطْبٍ وَيَابِسٍ''. (سنن ابن ماجہ:۷۲۴) ترجمہ: ''مؤذن کی جہاں تک آواز پہنچتی ہے، وہاں تک اس کی مغفرت کی جاتی ہے اور اس کے لیے ہر خشک وتر چیز مغفرت طلب کرتی ہے''۔

قیامت کے دن مؤذن کی گردن

ایک حدیث میں ہے کہ قیامت کے دن مؤذن کی گردن لمبی ہوگی۔ محدثین نے اس حدیث کے بہت سے مطالب بیان کیے ہیں۔ ایک مطلب یہ بھی ہے کہ مؤذن قیامت کے دن سب سے ممتاز ہوگا۔ قیامت کے دن دوسرے لوگ پسینہ میں ڈوب جائیں گے؛ جب کہ مؤذنوں کی گردنیں لمبی ہوں گی، وہ پسینہ میں غرق نہ ہوں گی اور وہ آخرت کے عذاب سے محفوظ رہیں گے۔ ایک مطلب یہ بھی ہے کہ مؤذن کے اعمال قیامت کے دن، دوسرے لوگوں کے اعمال سے زیادہ اچھے ہوں گے۔ حضرت سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا: ''اَلْمُؤَذِّنُونَ أَطْوَلُ النَّاسِ أَعْنَاقًا يَوْمَ الْقِيَامَةِ''. (صحیح مسلم:۳۸۷) ترجمہ: ''اذان دینے والوں کی گردنیں قیامت کے دن سب سے زیادہ لمبی ہوں گی''۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی تمنا

کچھ فقہاء کرام کا کہنا ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے خلفاء کرامؓ نے اپنی ذمہ داری کو ادا کرنے کے باعث، وقت میں تنگی کی وجہ سے اذان دینے کی ذمہ داری قبول نہیں کی۔ اگر ان کے پاس انتظامی ذمہ داری نہیں ہوتی؛ تو وہ حضرات بھی اذان دینے کا کام کرتے۔ سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی تمنا تھی کہ وہ اذان کی ذمے داری اپنے سر لیں۔ وہ خلیفہ تھے۔ ان پر خلافت کا بوجھ تھا۔ انتظامی امور میں منہمک تھے؛ اس لیے انھوں نے اذان کی ذمہ داری نہیں لی۔ آپؓ نے فرمایا: "لو لا الخلافة لأذّنتُ"، اگر خلافت (کی ذمہ داری) نہ ہوتی؛ تو میں اذان دیتا''۔ (المغنی لابن قدامہ:۱/۲۹۳)

اذان کے لیے قرعہ اندازی

اذان کی اتنی فضیلت و اہمیت ہے کہ فقہا نے لکھا ہے کہ اگر اذان دینے کے لیے کئی آدمی خواہشمند ہوں؛ تو مؤذن کا انتخاب قرعہ اندازی سے کیا جائے گا۔ آج ہمارے معاشرے میں، کم علمی کی وجہ سے مؤذن کی کوئی اہمیت نہیں ہے؛ جب کہ اسلام کی نظر میں، ان کا مقام بہت بلند اور اونچا

ہے۔ پانچ وقت پابندی سے اذان پکارنے کے باوجود، ان کی تنخواہ بہت کم ہوتی ہے۔ہمیں اس حوالے سے سنجیدگی سے غور وفکر کرنے کی ضرورت ہے۔سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے ''جنگ قاسیہ'' میں، حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کو امیر بنایا۔حضرت سعد رضی اللہ عنہ امامت کی ذمہ داری خود انجام دیتے تھے۔جنگ کے دوران مؤذن شہید ہوگئے۔اب نیا مؤذن مقرر کرنا تھا۔بہت سے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہ اذان کی ذمہ داری قبول کرنے کو تیار ہوگئے۔یہ واضح رہے کہ اس وقت مؤذن کو کوئی تنخواہ نہیں دی جاتی تھی۔بالآخر آپؓ نے بحیثیت امیر قرعہ اندازی سے مؤذن کا انتخاب کیا۔امام بخاری رحمہ اللہ نقل کرتے ہیں: "يُذْكَرُ: أَنَّ أَقْوَامًا اخْتَلَفُوا فِي الأَذَانِ فَأَقْرَعَ بَيْنَهُمْ سَعْدٌ". (صحیح بخاری، کتاب الأذان، باب الاستہام فی الأذان) ترجمہ:''بیان کیا جاتا ہے کہ کچھ لوگوں نے اذان کے حوالے سے اختلاف کیا (کہ کون اذان دے گا؟)؛ تو سعد رضی اللہ عنہ نے ان کے درمیان قرعہ اندازی کی''۔

لوگ مؤذن کی فضیلت اور ان کے مقام ومرتبہ سے ناواقف ہیں۔اگر لوگ یہ جان لیں کہ مؤذن کی کیا حیثیت ہے؛ تو وہ آپس میں مؤذن کے انتخاب کے لیے قرعہ اندازی کے لیے مجبور ہوں گے۔پھر قرعہ اندازی کے بعد مؤذن کا انتخاب عمل میں آئے گا۔حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "لَوْ يَعْلَمُ النَّاسُ مَا فِي النِّدَاءِ وَالصَّفِّ الأَوَّلِ، ثُمَّ لَمْ يَجِدُوا إِلَّا أَنْ يَسْتَهِمُوا عَلَيْهِ لَاسْتَهَمُوا". (صحیح البخاری:۶۱۵) ترجمہ:''اگر لوگ جان لیں جو ثواب اذان دینے اور پہلی صف میں (نماز پڑھنے میں) ہے، پھر اس کے لیے قرعہ اندازی کے علاوہ ان کے پاس کوئی چارہ نہ ہو؛ تو وہ لوگ قرعہ اندازی کریں گے''۔

جہنم کی آگ سے نجات

پابندی سے سات سال تک اذان دینے والوں کے لیے اللہ تعالی جہنم کی آگ سے چھٹکارے کا پروانہ لکھ دیتے ہیں۔حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "مَنْ أَذَّنَ مُحْتَسِبًا سَبْعَ سِنِينَ، كَتَبَ اللَّهُ لَهُ بَرَاءَةً مِنَ النَّارِ". (سنن ابن ماجہ:۷۲۷) ترجمہ:''جس شخص نے سات سالوں تک ثواب کی امید سے اذان دی؛ تو اللہ تعالی اس کے لیے (جہنم کی) آگ سے نجات لکھ دیتے ہیں''۔

ایک روایت میں ہے کہ جو شخص بارہ سالوں تک پابندی سے اذان دے گا، اس کے لیے جنت واجب ہوگئی۔حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"مَنْ أَذَّنَ ثِنْتَيْ عَشْرَةَ سَنَةً، وَجَبَتْ لَهُ الْجَنَّةُ، وَكُتِبَ لَهُ بِتَأْذِينِهِ فِي كُلِّ يَوْمٍ سِتُّونَ حَسَنَةً، وَلِكُلِّ إِقَامَةٍ ثَلَاثُونَ حَسَنَةً". (سنن ابن ماجہ:۷۲۸) ترجمہ: ''جس شخص نے بارہ سال تک اذان دی، اس کے لیے جنت واجب ہوگئی۔اس کے اذان دینے کی وجہ سے، اس کے لیے ہر روز ساٹھ نیکیاں لکھی جائیں گی اور ہر اِقامت کہنے کی وجہ سے اس کے لیے تیس نیکیاں لکھی جاتی ہیں''۔

مؤذن مُشک کے ٹیلے پر ہوگا

قیامت کے دن تین قسم کے لوگ مشک کے ٹیلے پر ہوں گے۔ ٹیلے پر ہونے کا مطلب یہ ہے کہ وہ لوگ قیامت کے دن اونچی جگہ پر ہوں گے۔ وہ اچھے حال میں ہوں گے۔ان تین قسم کے لوگوں میں ایک ''مؤذن'' بھی ہوگا۔حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "ثَلَاثَةٌ عَلَى كُثْبَانِ المِسْكِ - أُرَاهُ قَالَ- يَوْمَ القِيَامَةِ، يَغْبِطُهُمُ الأَوَّلُونَ وَالآخِرُونَ: رَجُلٌ يُنَادِي بِالصَّلَوَاتِ الخَمْسِ فِي كُلِّ يَوْمٍ وَلَيْلَةٍ، وَرَجُلٌ يَؤُمُّ قَوْمًا وَهُمْ بِهِ رَاضُونَ، وَعَبْدٌ أَدَّى حَقَّ اللَّهِ وَحَقَّ مَوَالِيهِ". (سنن ترمذی:۲۵۶۶) ترجمہ: ''تین طرح کے لوگ قیامت کے دن مشک کے ٹیلے پر ہوں گے، ان پر پہلے اور پچھلے سب رشک کریں گے: (۱) وہ آدمی جو روزانہ پنجوقتہ نماز کے لیے اذان دیتا ہے، (۲) وہ آدمی جو کسی قوم کا امام ہو؛ جب کہ قوم اس سے خوش ہے اور (۳) وہ غلام جو اللہ کا حق ادا کرتا ہے اور اپنے آقا کا حق ادا کرتا ہے''۔

ہمیں اذان کی قدر اور مؤذن کا احترام کرنا چاہیے۔مؤذن اذان کے ذریعے مسلمانوں کو ایک بڑی کامیابی کی طرف بلاتا ہے۔وہ اذان کے ذریعے اللہ کے نام کا واسطہ دے کر ہمیں نماز کے لیے مسجد آنے کی دعوت دیتا ہے۔اب مسلمانوں کی ذمہ داری ہے کہ وہ اس دعوت کو قبول کریں اور اپنے سارے دنیوی کاروبار سے منہ موڑ کر، مساجد کا رخ کریں؛ تاکہ اللہ ان سے راضی ہو اور ان کی آخرت سنور جائے۔

* * *

ضروری اطلاع

غیر ملک کے لیے ''ماہنامہ دارالعلوم'' کی حسب سابق روانگی شروع کردی گئی ہے۔تفصیل کے لیے ''دفتر ماہنامہ دارالعلوم'' دیوبند، یوپی Pin:-247554 سے رابطہ فرماسکتے ہیں۔(ادارہ)

اختلافات ائمہ کی شرعی حیثیت اور منہج اعتدال

(۵/۴)

از: مولانا اختر امام عادل قاسمی
جامعہ ربانی منورواشریف

روایات سے استدلال

احادیث میں بھی عام لوگوں کے لیے اہل علم کی طرف مراجعت کا حکم موجود ہے، صحابہ اور خلفائے راشدین کی تقلید واتباع کے بارے میں آپ نے بارہا توجہ دلائی، کبھی فرمایا:

☆ عَلَيْكُمْ بِسُنَّتِي وَسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِينَ الْمَهْدِيِّينَ مِنْ بَعْدِي وَعَضُّوا عَلَيْهَا بِالنَّوَاجِذِ. (۸۰)

''تم پر میری سنت اور ہدایت یافتہ خلفاء راشدین کی سنت کی پیروی لازم ہے، ان کو دانتوں سے پکڑو''

کبھی فرمایا:

☆ما انا عليه و اصحابی (۸۱)

میرے اور میرے صحابہ کی راہ (راہ ہدایت ہے)

اور کبھی شخصی تعین کے ساتھ اتباع کا حکم فرمایا:

☆ انی لا ادری ما بقائی فیکم فاقتدوا بالذی من بعدی ابی بکروعمر رضی اللّٰہ عنهما. (۸۲)

مجھے نہیں معلوم میں کتنے دن تمہارے اندر رہوں گا، اس لیے میرے بعد ابوبکر وعمر کی اقتدا کرو۔

❋ صحیح بخاری میں ہے کہ بعض صحابہ جماعت میں دیر سے آنے لگے تھے، تو آپ نے ان کو جلدی آنے اور اگلی صفوں میں نماز پڑھنے کی تاکید فرمائی اور یہ ارشاد فرمایا:

ائتموا بی و لیأتم بکم من بعد کم(۸۳)

''تم میری اقتدا کرو اور بعد والے تمہاری اقتدا کریں''

اس کا ایک مطلب تو یہ ہے کہ اگلی صفوں کے لوگ آپ کو دیکھ کر آپ کی اقتدا کریں؛ لیکن اس کا ایک دوسرا مطلب یہ بھی ہے کہ صحابہ کرام آنحضرت کی نماز کو اچھی طرح دیکھ لیں؛ کیوں کہ آنے والی نسلیں صحابہ کی تقلید و اتباع کریں گی۔

❊ ابوداؤد اور ترمذی وغیرہ میں مشہور واقعہ ہے کہ حضور ﷺ نے حضرت معاذ بن جبلؓ کو یمن بھیجا اور ان کو مآخذ شریعت کی ہدایت فرمائی، اس واقعہ میں حضرت معاذؓ اہل یمن کے لیے محض گورنر بن کر نہیں گئے تھے قاضی و مفتی بھی بن کر گئے تھے؛ لہٰذا اہل یمن کے لیے ان کی تقلید کے سوا کوئی راستہ نہیں تھا، چنانچہ اہل یمن انہیں کی تقلید کرتے تھے، بعض لوگ سمجھتے ہیں کہ حضرت معاذؓ گورنر تھے، مفتی نہیں تھے؛ لیکن یہ خیال بالکل غلط ہے۔ صحیح بخاری میں حضرت اسود بن زیدؓ کی روایت ہے:

اتانا معاذ بن جبل بالیمن معلماً او امیر ا فسألناه عن رجل توفی و ترك ابنته و اخته فاعطی الابنة النصف و الاخت النصف(۸۴)

ترجمہ: ''ہمارے پاس معاذ بن جبل معلم اور امیر بن کر آئے، تو ہم نے ان سے مسئلہ دریافت کیا کہ ایک شخص کا انتقال ہوگیا اور اس نے اپنے ورثہ میں ایک بیٹی اور ایک بہن کو چھوڑا، تو حضرت معاذؓ نے بیٹی کو نصف اور بہن کو نصف حصہ دیا''

اس سے صاف واضح ہے کہ وہ بحیثیت مفتی کے فتوی دیتے تھے اور زیر بحث مسئلے میں انھوں نے اپنے فتوی کی کوئی دلیل بھی بیان نہیں فرمائی، اور اہل یمن نے اس کو محض ان کی اتباع میں قبول کرلیا۔

عہد صحابہ کے واقعات سے استدلال

عہد صحابہ میں بھی تقلید و اتباع کا ثبوت ملتا ہے۔

۱- موطا امام مالک میں روایت ہے کہ حضرت عمرؓ نے حضرت طلحہؓ کو حالت احرام میں رنگین کپڑا پہنے ہوئے دیکھا، تو ان پر اعتراض کیا، انھوں نے جواب دیا کہ اس رنگ میں خوشبو نہیں ہے، اس پر حضرت عمرؓ نے فرمایا:

انکم ایها الرهط ائمة یقتدی بکم الناس فلو ان رجلاً جاهلاً رأی هذا الثوب لقال ان طلحة بن عبد الله قد کان یلبس الثیاب المصبغة فی الاحرام فلا تلبسوا ایها الرهط

شئیا من هذه الثیاب المصبغة(۸۵)

ترجمہ: آپ حضرات لوگوں کے مقتدا اور پیشوا ہیں، اگر کوئی جاہل شخص اس کپڑے کو دیکھ لے تو کہے گا کہ طلحہ بن عبداللہ احرام کی حالت میں رنگین کپڑے پہنتے تھے، اس لیے آپ حضرات اس طرح کا کوئی رنگین کپڑا استعمال نہ فرمائیں۔

اس میں شخصی اور غیر شخصی دونوں طرح کی تقلید شامل ہے۔

اہل مدینہ کی تقلید شخصی

۲- صحیح بخاری میں حضرت عکرمہؓ سے روایت ہے:

کہ اہل مدینہ نے حضرت ابن عباسؓ سے اس عورت کا مسئلہ دریافت کیا جس کو طواف کے بعد حیض آجائے، حضرت ابن عباسؓ نے جواب دیا، وہ جاسکتی ہے، اس پر اہل مدینہ نے کہا ہم حضرت زید کا قول چھوڑ کر آپ کا قول اختیار نہیں کرسکتے۔(۸۶)

مسند ابوداؤد طیالسی میں اہل مدینہ کے یہ الفاظ منقول ہیں:

لانتا بعك یا ابن عباس و انت تخالف زیداً(۸۷)

حضرت ابوموسی اشعریؓ نے تقلید کی تلقین کی

۳- صحیح بخاری میں حضرت ہذیل بن شرحبیلؒ سے مروی ہے کہ حضرت ابوموسی اشعریؓ سے کچھ لوگوں نے ایک مسئلہ دریافت کیا، انھوں نے جواب تو دے دیا مگر ساتھ ہی یہ بھی فرمایا کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے بھی پوچھ لینا، چنانچہ وہ لوگ حضرت ابن مسعودؓ کے پاس گئے، اور حضرت ابوموسی اشعریؓ کی رائے بھی ذکر کردی، حضرت ابن مسعودؓ نے جو فتوی دیا وہ فتوی حضرت ابوموسیٰؓ کے فتوی کے خلاف تھا، لوگوں نے حضرت ابوموسیٰؓ سے حضرت ابن مسعودؓ کے فتوی کا ذکر کیا، تو انھوں نے فرمایا:

"لاتسئلونی مادام هذا الحبر فیکم"

''جب تک حضرت ابن مسعودؓ جیسی شخصیت تمہارے درمیان موجود ہے، مجھ سے کچھ نہ پوچھا کرو''(۸۸)

سارے لوگ مذہب خلیفہ کے پیروکار

۴- ازالۃ الخفاء میں حضرت شاہ ولی اللہ صاحب رقمطراز ہیں:

'' وفی الجملہ طریق مشاورت در مسائل اجتہاد یہ وتتبع احادیث از مظان آں کشادہ شد، معہذا بعد عزم خلیفہ بر چیزے مجال مخالفت نبود و بدون استطلاع رائے خلیفہ کارے را مصمم نمے ساختند

لہذا دریں عصر اختلاف مذہب وتشتت آرار واقع نہ شد، ہمہ بر یک مذہب متفق و بر یک راہ مجتمع وآں مذہب خلیفہ ورائے آں بود، روایت حدیث وفتوی وقضار ومواعظ مقصور بود در خلیفہ''(۸۹)

ترجمہ: ''فی الجملہ اجتہادی مسائل اور احادیث کے تتبع میں مشاورت کا راستہ کھلا تھا، اس کے باجود کسی چیز کے متعلق خلیفۃ المسلمین کے فیصلہ کے بعد کسی کو مخالفت کی مجال نہ تھی، اور خلیفہ کی رائے کے بغیر کسی کام کا حتمی فیصلہ نہیں ہوسکتا تھا، اسی لیے اس دور میں مذاہب وآرار کا اختلاف وقوع پذیر نہ ہوا تھا، سارے لوگ ایک ہی مذہب پر متفق اور ایک ہی راہ پر مجتمع تھے اور وہ تھا خلیفہ کا مذہب اور اس کی رائے، روایت حدیث، فتوی اور قضار اور وعظ ونصیحت سب کچھ خلیفہ کے لیے خاص تھا''۔

شاہ صاحب کی عبارت سے پتہ چلتا ہے کہ عہد صحابہ میں ایک ایسا دور بھی آیا تھا؛ جب کہ سارے لوگ بشمول صحابہ شخصی طور پر خلیفہ کے مقلد وپیروکار تھے اور ان کی موجودگی میں کسی دوسرے مذہب ورائے کی گنجائش نہ تھی۔

عمرو بن میمون کی تعلیم

۵-ابوداؤد میں حضرت عمرو بن میمونؒ کی روایت ہے، فرماتے ہیں:

قدم علينا معاذ باليمن رسول رسول اللّٰه.... فا لقيت محبتى عليه فما فارقته حتى دفنته بالشام ميتا ثم نظرت الى افقه الناس بعده فاتيت ابن مسعود فلزمته حتى مات الحديث(۹۰)

''جب معاذ بن جبل یمن میں رسول اللہ ﷺ کے نمائندہ بن کر تشریف لائے تو میں نے ان سے محبت کی اور اس وقت تک جدا نہیں ہوا، جب تک کہ ان کو شام میں دفن نہ کرلیا، اس کے بعد میں نے دیکھا کہ اب سب سے بڑے فقیہ کون ہیں؟ تو حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے پاس آیا اور ان کی خدمت میں ان کی وفات تک رہا''۔

حضرت ابن مسعودؓ نے تقلید کی تلقین فرمائی

(۶) حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ فرماتے تھے:

من كان منكم متاسيا فليتاس باصحاب محمد صلى اللّٰه عليه سلم فانهم كانوا أبرّ هذه الامة قلوباً و اعمقها علماً واقلها تكلفاً و اقومها هدياً و احسنها حالاً قوماً اختارهم اللّٰه لصحبة نبيه و اقامة دينه فاعرفوا لهم فضلهم و اتبعوا فى آثارهم فانهم كانو على الهدى المستقيم(۹۱)

ترجمہ: ''جس کو اقتدا کرنی ہو وہ حضور اکرم ﷺ کے صحابہ کی اقتدا کرے؛ اس لیے کہ وہ اس امت میں سب سے زیادہ نیک دل، گہرے علم والے، سب سے کم تکلف والے، مضبوط سیرت و کردار اور اچھے حالات کے حامل تھے، خدا تعالی نے ان کا انتخاب اپنے نبی ﷺ کی صحبت اور اقامت دین کے لیے فرمایا تھا؛ اس لیے ان کی قدر و منزلت پہچانو اور ان کے نقوش قدم کی اتباع کرو، اس لیے کہ وہ حق و ہدایت اور سیدھے راستے پر تھے''۔

عقلی استدلال

اور عقلی طور پر بھی یہ بات سمجھ میں آتی ہے؛ اس لیے کہ شریعت کے عرفان کے دو ہی ذرائع ہیں، نقل یا استنباط، نقل کے لیے ہر طبقہ کا ماقبل کے طبقات سے اتصال ضروری ہے، یعنی ہر بعد والا اپنے قبل والے سے دین حاصل کرتا ہے، اسی طرح استنباط کے لیے متقدمین کے مذاہب کا علم ضروری ہے تاکہ خرق اجماع نہ ہو، غرض دونوں صورتوں میں ان لوگوں پر اعتماد ضروری ہے، جو متقدم اور ماہر فن ہوں، دنیا کے ہر پیشہ کا حال یہی ہے کہ ماہر فن سے سیکھا جاتا ہے، اس لیے جو شخص دین اور علم دین میں مہارت نہیں رکھتا اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ ان لوگوں پر اعتماد کرے جن کو دین اور علم دین میں مہارت حاصل ہے، اسی لیے علماء نے ان لوگوں کے لیے جو اجتہاد کی اہلیت نہ رکھتے ہوں تقلید کو واجب قرار دیا ہے، علامہ آمدیؒ کہتے ہیں:

العامی و من لیس له اهلیته الاجتهاد و ان کان محصلاً لبعض العلوم المعتبره فی الاجتهادو یلزمه اتباع قول المجتهدین والآخذ بفتواه عندا لمحققین من الاصولیین(۹۲)

علامہ ابن ہمامؒ کا بیان ہے:

غیر المجتهد المطلق یلزمه عند الجمهور التقلید(۹۳)

''جمہور کے نزدیک غیر مجتہد مطلق کے لیے تقلید لازم ہے''۔

ایک وضاحت

بعض حضرات نے تقلید سے انکار کیا ہے؛ بلکہ بعض نے تو اس کو ایک درجہ کا شرک قرار دیا ہے، اس سلسلے میں ابن حزمؒ، ابن قیمؒ اور عزالدین بن عبدالسلامؒ کا خاص طور پر ذکر کیا جاتا ہے، مگر حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے ان حضرات کی عبارتیں نقل کرکے ان کا محمل یہ متعین فرمایا ہے کہ تقلید ان لوگوں کے لیے حرام ہے جن میں اجتہاد کی صلاحیت ہو، مجتہد مطلق کے لیے تو تقلید کا سوال ہی نہیں

ہوتا؛ لیکن جس میں اجتہاد کی اس درجہ صلاحیت تو نہ ہو لیکن علوم ضروریہ میں مہارت کے نتیجے میں جزوی طور پر بعض مسائل پر نظر رکھتا ہو تو وہ اگر کسی مسئلہ میں اپنی تحقیق کی بناء پر کسی خاص رائے کو خلاف حدیث پاتا ہو تو اس کے لیے اس مسئلے میں اس رائے کی تقلید جائز نہ ہوگی، شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں:

إِنَّمَا يتم فِيمَن لَهُ ضرب من الِاجْتِهَاد وَلَو فِي مَسْأَلَة وَاحِدَة وفيمن ظهر عَلَيْهِ ظهورا بَينا أَن النَّبِي صلى الله عَلَيْهِ وَسلم أَمر بِكَذَا أَو نهى عَن كَذَا وَأَنه لَيْسَ بمنسوخ إِمَّا بِأَن يتتبع الْأَحَادِيث وأقوال الْمُخَالف والموافق فِي الْمَسْئلَة فَلَا يجد لَهَا نسخا أَو بِأَن يرى جما غفيرا من المتبحرين فِي الْعلم يذهبون إِلَيْهِ وَيرى الْمُخَالف لَهُ لَا يحْتَج إِلَّا بِقِيَاس أَو استنباط أَو نَحْو ذَلِك فَحِينَئِذٍ لَا سَبَب لمُخَالفَة حَدِيث النَّبِي صلى الله عَلَيْهِ وَسلم إِلَّا بنفاق خَفِي أَو حمق جلي وَهَذَا هُوَ الَّذِي أَشَارَ إِلَيْهِ الشَّيْخ عز الدّين بن عبد السَّلَام حَيْثُ قَالَ وَمن الْعجب العجيب أَن الْفُقَهَاء المقلدين يقف أحدهم على ضعف مَأْخَذ إِمَامه بِحَيْثُ لَا يجد لضَعْفه مدفعا وَهُوَ مَعَ ذَلِك يقلده فِيهِ وَيتْرك من شهد الْكتاب وَالسّنة والأقيسة الصَّحِيحَة لمذهبهم جمودا على تَقْلِيد إِمَامه(۹۴)

تقلید بحیثیت شارع

پھر ائمہ مجتہدین کی تقلید کو شرک کہنے کی کوئی وجہ نہیں، اس لیے کہ قرآن کریم میں مذمت اس تقلید کی آئی ہے جو بحیثیت شارع کے ہو، اسی طرح جو جہالت کے باوجود تقلید آباء کے زمرے میں آتی ہو، جب کہ یہاں جو تقلید واتباع زیر بحث ہے اس میں مجتہدین کی حیثیت شارع کی نہیں؛ بلکہ محض شارح کی ہوتی ہے، اور ہر شخص کے اندر چونکہ اتنی صلاحیت نہیں ہوتی کہ قرآن وحدیث سے مسائل کو خود اخذ کر سکے، اس لیے ائمہ مجتہدین پر اعتماد کیا جاتا ہے، اور جو وہ سمجھتے ہیں اور سمجھاتے ہیں، اسی کو منشاء الٰہی اور مراد رسول سمجھ کر واجب لاتباع مانا جاتا ہے۔ اس طرح ائمہ کی تقلید دراصل اللہ اور رسول کی تقلید ہے، ہم نہ انھیں معصوم سمجھتے ہیں اور نہ واجب الاطاعت اور نہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ ان کے پاس فقہ کی وحی آتی ہے، شاہ صاحبؒ نے اسی بات کو اس انداز سے ادا فرمایا ہے:

فَهَذَا كَيفَ يُنكره أحد مَعَ أَن الإستفتاء لم يزل بَين الْمُسلمين من عهد النَّبِي صلى الله عَلَيْهِ وَسلم وَلَا فرق بَين أَن يستفتى هَذَا دَائِما أَو يستفتى هَذَا حينا بعد أَن يكون مجمعا على مَا ذَكرْنَاهُ كَيفَ لَا وَلم نؤمن بفقيه أيا كَانَ أَنه أوحى الله إِلَيْهِ الْفِقْه وَفرض علينا طَاعَته وَأَنه مَعْصُوم فَإِن اقتدينا بِوَاحِد مِنْهُم فَذَلِك لعلمنا أَنه عَالم بِكِتَاب الله وَسنة

رَسُوله فَلَا يَخلُو قَوْله إِمَّا أَن يكون من صَرِيح الْكتاب وَالسّنة..... فَهَذَا أَيْضا معزو إِلَى النَّبِى صلى الله عَلَيْهِ وَسلم وَلَكِن فِى طَرِيقه ظنون(۹۵)

مذاہب اربعہ کی تخصیص کی وجہ

البتہ چوتھی صدی ہجری سے قبل تک مذاہب اربعہ کے علاوہ دوسرے مجتہدین کی بھی تقلید کی جاتی تھی؛ لیکن دوسرے حضرات مجتہدین کے مذاہب گردش ایام کے اثر سے پوری طرح محفوظ نہ رہ سکے اور نہ ان کے پیروکاروں کی تعداد باقی رہی، اب ان کے وہی اقوال و آراء محفوظ رہ گئے، جو مذاہب اربعہ کی کتابوں میں مختلف مناسبتوں سے مذکور ہوئے ہیں، اس لیے چوتھی صدی ہجری کے بعد ان مذاہب اربعہ کے سوا کوئی مذہب باقی نہ رہا، اس لیے حکمت الٰہی سے تقلید شخصی کا انحصار انہی چار مذاہب میں ہوگیا، حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ فرماتے ہیں:

وَلما اندرست الْمذَاهب الحقة إِلَّا هَذِه الْأَرْبَعَة كَانَ اتباعها اتبَاعا للسواد الْأَعْظَم وَالْخُرُوج عَنْهَا خُرُوجًا عَن السوَاد الْأَعْظَم(۹۶)

علامہ ابن خلدونؒ مقدمہ میں فرماتے ہیں:

ووقف التلقيد فى الامصار عند هؤلاء الاربعة و درس المقلدون لمن سواهم.... ولم يبق الانقل مذاهبهم وعمل كل مقلدبمذهب من قلده منهم..... وقد صار اهل الاسلام اليوم على تقليد هؤلاء الأئمة الاربعة(۹۷)

حضرت ملاجیونؒ نے اس موقع پر بڑی اچھی بات لکھی ہے:

والانصاف أن انحصار المذاهب فى الأربعة و اتباهم فضل الٰهى و قبولية عند الله لا مجال فيه للتوجيهات والأدلة(۹۸)

یعنی انصاف یہ ہے کہ مذاہب اربعہ کا انحصار اور ان کی اتباع فضل الٰہی اور منجانب اللہ قبولیت کی علامت ہے، اس میں توجیہات و دلائل کی گنجائش نہیں ہے۔

حضرت مولانا عبدالحئی لکھنوی ''غیث الغمام'' میں لکھتے ہیں:

وفيه اشارة الى ان انحصارالمسالك فى المذاهب الأربعة المشهورة فى الازمنه المتاخرة امر الٰهى و فضل ربانى لا يحتاج الى اقامة الدليل عليه(۹۹)

اس میں اس طرف اشارہ ہے کہ آج مشہور زمانہ مذاہب اربعہ میں مسالک کا انحصار ایک امر الٰہی اور فضل ربانی ہے جس پر دلیل قائم کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔

تقلید کے لیے مذہب واحد کی تعیین

اس لیے آج شریعت پر عمل پیرا ہونے کی صورت یہ ہے کہ انھیں چار مذاہب میں سے کسی ایک مذہب کی تقلید کی جائے، دوسری صدی ہجری سے قبل تک بلانکیر کسی بھی مجتہد کی تقلید کا رواج تھا؛ لیکن مذاہب اربعہ کے ظہور اور ہویٰ و ہوس کے غلبہ کی وجہ سے دوسری صدی کے بعد ایک خاص مذہب کی تعیین ضروری ہوگئی اور آج بھی وہی واجب ہے۔ جیسا کہ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے لکھا ہے:

وبعد المأتين ظهر فيهم التمذهب للمجتهدين با عيا نهم وقل من كان لا يعتمد على مذهب مجتهد بعينيه و كان هذا هو الواجب فى ذلك الزمان(۱۰۰)

تقلید شخصی کے ترک سے دین کی تصویر بگڑ جائے گی

اس لیے کہ اب نہ وہ ورع واحتیاط رہی اور نہ وہ خوف خدا اور جذبہ تحقیق حق باقی رہا، اگر آج اس بات کی کھلی آزادی دے دی جائے کہ جس مجتہد کا چاہو قول اختیار کرلو تو دین ایک کھلونا بن کر رہ جائے گا؛ کیوں کہ اکثر مجتہدین کے یہاں کچھ نہ کچھ منفرد اقوال ایسے ملتے ہیں جن کو خواہشات نفس کے لیے استعمال کیا جاسکتا ہے، مثلاً امام شافعیؒ کے نزدیک شطرنج کھیلنا جائز ہے، حضرت عبداللہ بن جعفرؒ کی طرف موسیقی کا جواز منسوب ہے، حضرت قاسم بن محمدؒ کی طرف منسوب ہے کہ وہ بے سایہ تصویروں کو جائز کہتے تھے، مالکیہ میں امام سحنونؒ کی طرف اپنی زوجہ کے ساتھ وطی فی الدبر کا جواز منسوب ہے، امام اعمشؒ سے منقول ہے کہ ان کے نزدیک روزہ کی ابتدا طلوع شمس سے ہوتی ہے، ابن حزم ظاہریؒ کا مسلک یہ ہے کہ جس عورت سے نکاح کا ارادہ ہو اسے برہنہ دیکھنا بھی جائز ہے، نیز انہی کا مسلک یہ ہے کہ اگر کسی عورت کو کسی مرد سے پردہ کرنا مشکل ہو تو اس کے لیے جائز ہے کہ اس بالغ مرد کو اپنے پستان سے دودھ پلا دے، اس طرح حرمت رضاعت ثابت ہو جائے گی اور پردہ اٹھ جائے گا اور حضرت عطاء ابن ابی رباحؒ کا مسلک یہ ہے کہ اگر عید کا دن جمعہ کے روز آجائے تو اس دن ظہر اور جمعہ دونوں ساقط ہو جاتے ہیں، اصحاب ظواہر کی رائے یہ ہے کہ چھ چیزوں (سونا چاندی، جو، گیہوں، کھجور اور نمک) کے سوا تمام چیزوں میں سودی لین دین درست ہے وغیرہ۔

غرض اس طرح اگر کوئی شخص ایسے اقوال کو تلاش کر کے ان پر عمل شروع کردے تو ایک ایسا دین تیار ہو جائے گا جس میں ہر ناکردنی اور ناگفتنی کو دین کا نام مل جائے گا، اسی لیے امام اوزاعی کا قول ہے کہ:

من اخذ بنوادر العلماء خرج من الاسلام(۱۰۱)

''جوعلماء کے تفردات کو لے گا وہ اسلام سے خارج ہوجائے گا''

حافظ ابن حجرؒ نے تلخیص الحبیر میں حضرت معمرؒ کا قول نقل کیا ہے کہ:

عن معمر قال لو أن رجلا أخذ بقول أهل المدينة فی استماع الغناء وإتيان النساء فی أدبارهن وبقول أهل مكة فی المتعة والصرف وبقول أهل الكوفة فی المسكر كان شر عباد الله. (۱۰۲)

کہ اگر کوئی شخص غنا سننے اور عورتوں سے وطی فی الدبر کے مسئلے میں اہل مکہ کا قول اور متعہ اور بیع صرف میں اہل مدینہ کا قول اختیار کرے تو وہ سب سے بدترین شخص ہے۔

(باقی آئندہ)

❊ ❊ ❊

حواشی:

(۸۰) شرح مشكل الآثار ج۳، ص۲۲۳، حديث نمبر: ۱۱۸٦، المؤلف: أبو جعفر أحمد بن محمد بن سلامة بن عبد الملك بن سلمة الأزدی الحجری المصری المعروف بالطحاوی (المتوفی: ۳۲۱هـ) تحقيق: شعيب الأرنؤوط الناشر: مؤسسة الرسالة الطبعة: الأولی ۱٤۱٥هـ/۱۹۹٤م.

(۸۱) الجامع الصحيح سنن الترمذی ج٥، ص۲٦، حديث نمبر: ۲٦٤۱، المؤلف: محمد بن عيسی أبو عيسی الترمذی السلمی الناشر: دار إحياء التراث العربی بيروت تحقيق: أحمد محمد شاكر وآخرون عدد الأجزاء: ٥.

(۸۲) رواه الترمذی، و ابن ماجه و احمد (مشكوة مع المرقات٥/٥٤۹) باب مناقب ابی بكر و عمر.

(۸۳) بخاری كتاب الصلوة،۱/۹۹.

(۸۴) بخاری شريف كتاب الفرائض باب ميراث البنات،۲/۹۷.

(۸۵) مسند احمد۱/۱۹۲، احاديث عبد الرحمن بن عوف.

(۸٦) فتح الباری۳/٤٦۷، عمدة القاری،٤/۷۷۷.

(۸۷) مسند ابوداؤد طيالسی ۳۲۹، وليات ام سليمؓ.

(۸۸) صحيح بخاری كتاب الفرائض، باب الميراث۲/۹۹۷.

(۸۹) ازالة الخفاء مقصددوم، احسن الفتاویٰ۱/٤۱٥.

(۹۰) سنن أبی داودج۱، ص۱٦٥، حديث نمبر:٤۳۲، المؤلف: أبو داود سليمان بن الأشعث السجستانی الناشر: دارالكتاب العربی ـ بيروت.

(۹۱) مشكوة شريف۱/۳۲۷.

(۹۲) الاحكام للآمدی٤/۳۳٤.

(۹۳) تيسيرا التحرير٤/۲٦٤.

(۹۴) ☆عقد الجيد فی أحكام الاجتهاد والتقليد ص۱٥، المؤلف: أحمد بن عبد الرحيم الدهلوی الناشر: المطبعة السلفية –القاهرة، ۱۳۸٥، تحقيق: محب الدين الخطيب.

(۹۵) ☆عقد الجيد فی أحكام الاجتهاد والتقليد ص۱۱، المؤلف: أحمد بن عبد الرحيم الدهلوی الناشر: المطبعة السلفية – القاهرة، ۱۳۸۵، تحقيق: محب الدين الخطيب.

(۹۶) عقد الجيد فی أحكام الاجتهاد والتقليد ص۱۰، المؤلف: أحمد بن عبد الرحيم الدهلوی الناشر: المطبعة السلفية – القاهرة، ۱۳۸۵، تحقيق: محب الدين الخطيب.

(۹۷) مقدمه ابن خلدون ۱۱۷.

(۹۸) تفسیری احمدی ۲۹۷.

(۹۹) فتح المبين۳۸۸، مصنفه مولانا منصور علی خان مراد آبادی.

(۱۰۰) الإنصاف فی بيان أسباب الاختلاف ص۷۰، المؤلف: أحمد بن عبد الرحيم ولی الله الدهلوی الناشر: دار النفائس بيروت الطبعة الثانية، ۱٤۰٤هـ. تحقيق: عبد الفتاح أبو غدة.

(۱۰۱) البحر المحيط فی أصول الفقه ج٤، ص٦۰۳، المؤلف: بدر الدين محمد بن عبد الله بن بهادر الزركشی (المتوفی: ۷۹٤هـ) المحقق: محمد محمد تامر.

الناشر: دار الكتب العلمية، بيروت، لبنان الطبعة: الطبعة الأولی، ۱٤۲۱هـ/۲۰۰۰م ☆ إرشاد الفحول إلى تحقيق الحق من علم الأصول ج۲، ص۲۵۳.

المؤلف: محمد بن علی بن محمد الشوكانی (المتوفی:۱۲۵۰هـ) المحقق: الشيخ أحمد عزو عناية، دمشق –كفر بطنا قدم له: الشيخ خليل الميس والدكتور ولی الدين صالح فرفور الناشر: دار الكتاب العربی الطبعة: الطبعة الأولی ۱٤۱۹هـ/۱۹۹۹م عدد الأجزاء: ۲.

(۱۰۲) التلخيص الحبير فی تخريج أحاديث الرافعی الكبيرج۳، ص۳۹۸، المؤلف: أبو الفضل أحمد بن علی بن محمد بن أحمد بن حجر العسقلانی (المتوفی:۸۵۲هـ) الناشر: دار الكتب العلمية الطبعة: الطبعة الأولی ۱٤۱۹هـ/ ۱۹۸۹م. عدد الأجزاء: ٤.

❊ ❊ ❊

شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ

[چند ذاتی تاثرات]

گفتگو: حضرت مولانا زاہد الراشدی مدظلہٗ
ضبط تحریر: حافظ خرم شہزاد

[''بزم شیخ الہند'' گوجرانوالہ کے زیر اہتمام ۱۹؍جولائی ۲۰۲۳ء کو منعقدہ ماہانہ فکری نشست سے خطاب جسے ''بزم شیخ الہند'' کے مدیر جناب حافظ خرم شہزاد نے ترتیب دیا، نذرِ قارئین ہے۔]

آج کی نشست ایک ایسی عظیم شخصیت کے حوالے سے ہے کہ ہم بچپن سے جن کا نام سنتے آرہے ہیں اور ان کی زیارت تو نہیں ہوئی؛ لیکن استفادہ کرتے آرہے ہیں۔ اگر میں یہ کہوں تو غلط نہ ہوگا کہ وہ ان چند بزرگوں میں سے ہیں جن کا نام لے کر ہم جیتے اور اپنا تعارف کرواتے ہیں اور جن کا نام لے کر ہمیں اطمینان ہوتا ہے کہ ہم صحیح راستے پر ہیں اور جن کا نام لے کر ہمیں اطمینان ہوتا ہے کہ ان شاء اللہ العزیز قیامت کے دن اللہ تبارک وتعالیٰ ہمیں انھیں کے ساتھ شمار فرمائیں گے۔

میں چند باتیں ذاتی تاثرات کے حوالے سے عرض کروں گا۔ شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی قدس اللہ سرہ العزیز کا نامِ نامی اسم گرامی میں نے سب سے پہلے اُن کی وفات کے بعد سنا؛ بلکہ پڑھا۔ میں اُس وقت دس گیارہ سال کا تھا، میں گکھڑ (گوجرانوالہ) میں ایک دکان پر سودا لینے گیا تو وہاں مشہور اخبار ''نوائے وقت'' اٹھا کر دیکھنا شروع کیا تو اس کے ایک کونے میں چھوٹی سی خبر تھی کہ ''دیوبند والے مولانا حسین احمد فوت گئے''۔ جب میں گھر آیا تو والد محترم حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدر رحمۃ اللہ علیہ سے میں نے پوچھا کہ ''دیوبند والے مولانا حسین احمد کون ہیں؟'' والد صاحبؒ نے فرمایا کہ کیا ہوا؟ میں نے کہا وہ فوت ہوگئے ہیں۔ ''إنا للّٰہ وإنا إلیہ راجعون، تمہیں کس نے بتایا؟'' والد صاحبؒ نے پوچھا؛ کیوں کہ اس زمانے میں موبائل اور ٹیلی فون نہیں ہوتے تھے۔ میں نے کہا اخبار کی خبر ہے۔ پوچھنے لگے ''کہاں ہے اخبار؟، جاؤ لے کر آؤ!'' میں دکاندار کے پاس گیا اور کہا کہ ابا جی اخبار مانگ

رہے ہیں۔ میں اخبار لے کر آیا، وہ چار پانچ سطروں کی خبر تھی؛ لیکن جو کیفیت حضرت والد صاحبؒ پر طاری ہوئی، وہ اب تک مجھے یاد ہے۔ بالکل بے چینی سے ٹہل رہے ہیں، إنا للّٰہ وإنا إلیہ راجعون پڑھ رہے ہیں۔ میں حیران ہوا کہ ایسا کبھی دیکھا نہیں ہے، آج ابا جی کو کیا ہوگیا؟ تھوڑی دیر بعد جب ذرا سکون ہوا تو فرمایا ''وہ ہمارے استاد جی ہیں اور ہمارے سب سے بڑے استاد ہیں۔ ہم نے ان سے بہت کچھ پڑھا ہے اور دیوبند کے بڑے وہی ہیں، شیخ الحدیث اور صدر مدرس۔''

شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی قدس اللہ سرہ العزیز سے یہ میرا ابتدائی تعارف تھا اور وہ کیفیات اب تک میرے ذہن کی اسکرین پر گھوم رہی ہیں۔ والد محترم حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدرؒ حضرت شیخؒ کے شاگرد تھے اور ہمارے چچا محترم حضرت مولانا صوفی عبدالحمید خان سواتیؒ حضرت شیخؒ کے شاگرد اور مرید بھی تھے، اُن کی بیعت بھی حضرت شیخ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ سے تھی۔ لہٰذا دونوں بزرگوں کی زبان سے اُن کا تذکرہ سنتے رہے، سبق اور غیر سبق میں بھی۔ ہمارے ایک تیسرے استاد محترم استاذ العلماء حضرت مولانا عبدالقیوم ہزاروی رحمۃ اللہ علیہ تھے، ہم نے اپنے اساتذہ سے سب سے زیادہ جن دو تین بزرگوں کا نام سنا اور بار بار سنا ان میں سرفہرست شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی قدس اللہ سرہ العزیز کا نام ہے۔

پھر طالب علمی کے زمانے میں تحریکی، تنظیمی اور جماعتی سرگرمیاں شروع ہوئیں اور مطالعے کا ذوق بھی تھا، میں اس وقت متوسط درجے کا طالب علم تھا جب میں نے حضرت مدنیؒ کی خودنوشت: ''نقشِ حیات'' پڑھی اور پھر پڑھتا چلا گیا۔ حضرت کے ساتھ عقیدت اور محبت اس حوالے سے بھی تھی کہ ہمارے دادا استاد تھے؛ لیکن سنہ ۶۰ء سے ۷۰ء کے درمیان حضرت مدنیؒ کے ارشادات، مکتوبات کا جوں جوں مطالعہ کرتا گیا توں توں محبت اور عقیدت میں اضافہ ہوتا گیا۔ (میں نے حضرتؒ کے مکتوبات بھی دیکھے اور پڑھے ہیں۔) پھر جب آگے بڑھے تو استفادے کا ماحول بھی ملا۔ بلا مبالغہ میں یہ عرض کرتا ہوں کہ زیارت کیے بغیر جن شخصیات سے میں نے سب سے زیادہ استفادہ کیا ہے ان میں صف اول کی شخصیت شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ ان کے مدینہ منورہ کا قیام، مالٹا کی اسارت، جمعیۃ علماء ہند کی قیادت اور تحریک آزادی، تقریباً سارے مراحل ریکارڈ میں میرے سامنے ہیں، وہ سب بیان کرنا مشکل ہے، صرف دو تین باتوں کا ذکر کروں گا۔

مالٹا کی اسارت میں اپنے استاد محترم شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن قدس اللہ سرہ العزیز کے ساتھ اُن کا جو وقت گزرا ہے، میں اس تاثر کو نہیں بھول سکتا کہ ایثار اور قربانی کی دنیا میں اس کی مثال

نہیں ملتی۔حضرت مدنیؒ اس تحریک سے براہِ راست وابستہ نہیں تھے جس میں وہ گرفتار ہوئے تھے۔وہ سالہا سال سے مدینہ منورہ میں مقیم تھے اور اپنا کام کررہے اور پڑھا رہے تھے اور مدینہ منورہ کے ہوکر رہ گئے تھے۔تحریک سے براہِ راست تعلق نہیں تھا؛ البتہ استاد شاگرد کے حوالے سے تعلق تھا۔اس میں اپنے شیخ کے ساتھ گرفتار ہونا اور تین ساڑھے تین سال گزارنا، میں نہیں سمجھتا کہ قربانی اور ایثار کے دائرے میں اس کی کوئی اور مثال ملتی ہو۔اس بات نے مجھے بہت متاثر کیا۔

ان کے قیام مدینہ منورہ کے دوران ان کی ایک بات میں نے پڑھی بھی اور مخدوم محترم حضرت مولانا سید اسعد مدنی قدس اللہ سرہ العزیز سے سنی بھی! کہ حضرت مدنیؒ مدینہ منورہ میں حدیث شریف پڑھاتے تھے اور تدریس حدیث ان کا خاص ذوق تھا۔ان کے شاگردوں میں ایک نام الجزائر کی تحریک آزادی کے قائد الشیخ عبدالحمید بن بادیس رحمہ اللہ تعالیٰ اور ان کے ساتھ شیخ ابراہیم رحمہ اللہ تعالیٰ کا ذکر آتا ہے۔(ان کی میں نے لاہور میں زیارت بھی کی ہے) شیخ بن بادیسؒ کی زیارت نہیں کرسکا۔یہ الجزائر کی تحریک آزادی کے قائدین میں سے تھے، یہ جب حضرت مدنیؒ سے تعلیم حاصل کرکے فارغ ہوئے تو شیخ سے پڑھانے کی اجازت مانگی تو شیخ نے فرمایا کہ ''نہیں بھئی! تمھارا ملک غلام ہے، اپنے ملک واپس جاؤ، علماء کو منظّم کرو اور آزادی کی جنگ میں حصہ لو''۔میری معلومات کے مطابق جمعیۃ علماء الجزائر شیخ بن بادیس اور شیخ ابراہیمی؛ اِن اکابر نے جمعیۃ علماء الجزائر بنائی ان کے پیچھے شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی قدس اللہ سرہ العزیز کھڑے ہیں۔میں جب تاریخ کے جھروکے میں دیکھتا ہوں تو الجزائر کی تحریک آزادی کے پیچھے مجھے شیخ الاسلامؒ کھڑے نظر آتے ہیں۔

پاکستان بننے کے بعد (اس کی مخالفت یا حمایت اپنی جگہ پر، سیاسی رائے ہوتی ہے اُن کی رائے نہیں تھی۔بہت سے بزرگوں کی رائے تھی) یہ بات میں کبھی نہیں بھولوں گا کہ شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ تحریک پاکستان کے کھلم کھلا مخالفین میں سے تھے، اس میں کوئی اشکال کی بات نہیں؛ مگر ان کے عقیدت مند بہت زیادہ اِس ایریے (پاکستان) میں آگئے تھے اور ان کے لیے مسئلہ کھڑا ہوگیا تھا؛ لیکن شیخ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ نے جس خوبصورتی کے ساتھ اپنے یہاں کے لوگوں، شاگردوں اور مریدوں کی راہنمائی فرمائی اور اپنے ملک کے ساتھ وفاداری کی تلقین کی، اُن کی جو مثال بیان کی جاتی ہے کہ ''مسجد کی تعمیر کے وقت اختلاف ہوجاتا ہے کہ یہاں بنانی ہے یا وہاں بنانی ہے، اس سائڈ میں بنانی ہے یا اُس سائڈ میں بنانی ہے، اس نقشے پہ بنانی ہے یا اُس نقشے پہ بنانی ہے، اختلاف ہوجاتا ہے، جھگڑا بھی ہوجاتا ہے؛ لیکن جب مسجد بن جائے تو پھر وہ مسجد ہوتی ہے۔''

یہاں پھر پاکستان میں قیام پاکستان کی جدوجہد کو جنہوں نے عملاً سنبھالا ہے (میں باقی بزرگوں کی نفی نہیں کرتا) وہ شیخ مدنیؒ کے شاگردوں نے سنبھالا اور یہ پوری ایک تاریخ اور تناظر ہے۔

مجھے دارالعلوم دیوبند کے صدسالہ اجلاس (مارچ ۱۹۸۰ء) کے موقع پر والد محترم حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدر اور عم مکرم حضرت مولانا صوفی عبدالحمید خان سواتی رحمہما اللہ تعالیٰ کی راہنمائی اور رفاقت اور حضرت مولانا مفتی محمود رحمہ اللہ کی قیادت میں دیوبند جانے کا اتفاق ہوا، میں وہ دن نہیں بھولوں گا، ہم مہمان تو حضرت مولانا محمد سالم قاسمی رحمۃ اللہ علیہ (فرزند حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب قاسمیؒ) کے تھے اور ان کے گھر ٹھہرے ہوئے تھے۔ میں انڈیا پہلی مرتبہ گیا تھا اور دیوبند کے ساتھ عقیدت اور محبت تو ہم بیان بھی نہیں کر سکتے۔ ایک دن دونوں بزرگوں نے آپس میں مشورہ کیا کہ ''زاہد پہلی دفعہ آیا ہے اسے دیوبند دکھانا چاہیے''۔ پورا ایک دن ان دونوں بزرگوں نے مجھے دیوبند دکھایا، حضرت علامہ انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کے گھر لے گئے، مولانا احمد رضا بجنوری رحمۃ اللہ علیہ وہاں تشریف فرما تھے، ان کی زیارت اور ملاقات ہوئی۔ مدنی منزل لے گئے حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ کے گھر میں اور سب سے عجیب منظر آج تک میں نہیں بھول سکتا جب قبرستان قاسمی گئے تو استاد اور شاگرد کی قبریں اکٹھی دیکھ کر میرے دل کی کیفیت ہی بدل گئی۔ واقعتاً زندگی میں مجھے دو چار مرحلے ایسے آئے ہیں جب قلبی کیفیات محسوس ہوئی ہیں۔ وہ استاد شاگرد کون تھے؟ شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن رحمۃ اللہ علیہ اور شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ۔ دونوں قبریں دیکھ کر میں سناٹے میں مبتلا ہو گیا اور میرے دل کی کیفیات یہ تھیں کہ اب کھڑا ہی رہوں۔ وہ سکون، برکات اور دل کی وہ کیفیت آج تک مجھے محسوس ہوتی ہے۔ ان بزرگوں نے دعا کی اور حضرت صوفی صاحبؒ تو مراقبے میں بیٹھ گئے تھے۔

میں اسے بھی اپنے لیے اعزاز سمجھتا ہوں کہ پاکستان میں جب ریاستی سطح پر تاریخ مرتب کرنے کا کام ہوا تو جمعیۃ علماء ہند کے بارے میں ہماری ایک محترمہ تھیں (اگر حیات ہیں تو اللہ پاک صحت عطا فرمائیں) پروین روزینہ صاحبہ، جمعیۃ علماء ہند کی دستاویزات اور تاریخ جمع کرنا ان کے ذمہ لگا۔ وہ حضرت مولانا سید حامد میاں صاحب قدس اللہ سرہ العزیز سے ملیں اور حضرتؒ میرے ذوق کو جانتے تھے، انھوں نے میرے پاس بھیج دیا کہ وہ آپ کو اس موضوع پر مواد بھی دے گا اور بریف بھی کرے گا۔ میں اسے اپنی نجات کے کاموں میں سے سمجھتا ہوں کہ محترمہ پروین روزینہ میرے پاس تشریف لائیں اور میرے ساتھ مسلسل رابطہ رہا اور جمعیۃ علماء ہند پر انھوں نے جو دستاویز مرتب کی، اس میں

موادمہیا کرنے میں میری بھی معاونت رہی ہے۔

طالب علمانہ اشکالات بھی ہوتے ہیں اور استفادہ بھی ہوتا ہے۔ مجھے بھی یہ اشکال تھا کہ خلافت عثمانیہ کیسے صحیح خلافت ہے؟ خلافت کے لیے تو قریشی ہونا شرط ہے۔اس پر جمہور کا صدیوں سے اجماع چلا آرہا تھا۔ میرا رجحان بھی یہی تھا کہ یہ ترکی، تاتاری اور ہلاکوخان کی اولاد ہیں، یہ خلیفہ کیسے بن گئے؟ مجھے اطمینان نہیں ہورہا تھا۔اس پر بڑی بحثیں پڑھیں اور میری مجبوری ہے کہ جب کسی سوال کے پیچھے پڑتا ہوں تو بحثیں کرتا ہوں اور پڑھتا بھی ہوں۔ بہت کچھ پڑھا؛ مگر تسلی نہیں ہورہی تھی۔ اس موضوع پر جب شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ کا ایک خطبۂ صدارت پڑھا تو میرے دل کے سارے اشکالات دور ہوگئے اور میرا دل مطمئن ہوگیا اور میں نے اپنا موقف بدل لیا۔

بنگلہ دیش میرا کئی دفعہ آنا جانا ہوا۔ میرے علم میں تھا کہ سلہٹ میں حضرت مدنیؒ کا رمضان میں قیام ہوتا تھا، اعتکاف میں بیٹھتے تھے اور وہاں ان کا مرکز تھا۔ اسارتِ مالٹا کے بعد حضرت وہیں بیٹھتے تھے اور بیٹھتے رہنا چاہتے تھے، اور وہیں اپنا مرکز بنانا چاہتے تھے؛ لیکن دارالعلوم دیوبند کے حالات کی وجہ سے انھیں دیوبند آنا پڑا اور آنا ہی چاہیے تھا، اس کی اپنی حکمتیں اور مصالح ہیں۔ میں جب سلہٹ گیا تو مجھے تلاش تھی کہ حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ جس مسجد میں اعتکاف میں بیٹھا کرتے تھے وہاں مجھے جانا ہے۔ میں وہاں گیا اور پھر کئی دفعہ جانا ہوا۔ اس مسجد میں دارالعلوم حسینیہ ہے غالباً حضرت ہی کے نام پر ہے۔ میری عادت ہے جب کہیں جاتا ہوں تو وہاں اگر لائبریری ہو تو ایک دفعہ کتابوں پر نظر ضرور ڈالتا ہوں کہ یہاں کون سی کتاب ہے اور کون سی نہیں ہے۔ اور جب تک میری یادداشت تھی (اب کچھ متاثر ہوگئی ہے) تب تک میرا حال یہ تھا کہ جب مجھ سے کوئی پوچھتا کہ فلاں کتاب کہاں ہوگی؟ تو میں اسے بتاتا تھا کہ فلاں مدرسے کے فلاں کتب خانے میں فلاں الماری میں ہے۔ اب بھی مجھے اندازہ ہے کہ کون سی کتاب کہاں ہوگی؟ مدرسہ حسینیہ کی لائبریری دیکھ رہا تھا کہ ایک چھوٹا سا پمفلٹ میرے ہاتھ آیا شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی قدس اللہ سرہ العزیز کا مرتب کردہ ''نصابِ تعلیم''۔ وہ رسالہ ہاتھ میں پکڑ کر میں کافی دیر تک گم صم کھڑا رہا کہ یہ باتیں جو حضرت نے سوسال پہلے کی ہیں ہم اب کررہے ہیں، میرے اندر جیسے روح دوبارہ آگئی۔ ہم نے گوجرانوالہ میں ''شاہ ولی اللہ یونیورسٹی'' کا کام اسی دائرے میں ترتیب دیا تھا۔ اور ہمیں مخالفت اور پروپیگنڈے کا سامنا بھی تھا کہ یہ کیا کررہے ہیں؟ سچی بات ہے کہ میں اس مہم میں کئی سالوں سے کام کررہا ہوں کہ

یہ ہونا چاہیے وہ ہونا چاہیے۔اس پر محنت اور کوشش بھی کی،اور بہت کچھ لکھا بھی ہے۔اب وہ ادارہ ''جامعہ شاہ ولی اللہ'' کے نام سے کام کررہا ہے۔جب میں نے حضرت شیخ کا رسالہ ''نصابِ تعلیم'' دیکھا اور اس مدرسہ کے مولوی صاحب سے رسالہ مانگا تو انھوں نے کہا کہ رسالہ تو نہیں دوں گا۔اس زمانے میں فوٹو کاپی کا نظام بھی اتنا زیادہ نہیں تھا۔میں نے کہا اس کی صاف سی فوٹو کاپی ہی دے دیں۔انھوں نے کہا میں بھیج دوں گا،میں نے کہا نہیں میں لے کر جاؤں گا،اور مجھے اس کی فوٹو کاپی چاہیے۔انھوں نے کہیں سے کاپی کروائی،وہ اب بھی میرے پاس محفوظ ہے اور یہاں (پاکستان) آکر میں نے اس پر کام کیا۔ہمارے محترم دوست ہیں ڈاکٹر محمد امین صاحب ''ملی مجلس شرعی'' تمام مکاتب فکر کا مشترکہ فورم ہے،میں اس کا صدر اور وہ اس کے سیکرٹری جنرل ہیں۔تعلیمی میدان میں ہمارا کام زیادہ ہے۔انھوں نے اس پر پوری کتاب لکھی،''مدنی نصابِ تعلیم'' چھپا ہوا ہے۔اور میں نے وہ جو چھوٹا سا کتابچہ تھا،اس کی فوٹو کاپیاں کروا کر جو مانگتا ہے بھیج دیتا ہوں،سب خوش ہوتے ہیں۔(اس کی پی ڈی ایف انٹرنیٹ پر دستیاب ہے) میرے لیے استفادے کی سب سے بڑی چیز اپنے مشن، پروگرام اور جدوجہد کے حوالے سے حضرت شیخ مدنی رحمۃ اللہ علیہ کا وہ نصاب تعلیم ہے۔الحمدللہ پورے اطمینان اور شرح صدر اور پوری ہمت کے ساتھ ہم نے اس مہم کو آگے بڑھایا اور الحمدللہ اب وہ پورے ملک کی مہم اور ضرورت بن چکا ہے۔

میں نے شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ کے متعلق چند ذاتی تاثرات عرض کیے ہیں۔اپنی محبت اور عقیدت کا اندازہ بیان نہیں کرسکتا۔ہمارے پاس وہ پیمانہ نہیں ہے کہ شیخ مدنی رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ ہماری محبت اور عقیدت کا پیمانہ کیا ہے۔بس محبت ہے اور اس زندگی میں عقیدت ہے اور اُس (اُخروی) زندگی میں سہارا ہے اور یہی دو چار بزرگ ہیں جن کی چھتری اور چادر کے نیچے ہم سر چھپا کر شاید نکل جائیں،ورنہ ہمارے پاس تو کچھ بھی نہیں ہے۔اللہ پاک ہمیں معاف فرمائے، ان بزرگوں کی نسبت اور برکات اس دنیا میں تو ہم اٹھا ہی رہے ہیں،آخرت میں بھی ان کی برکات سے بہرہ ور فرمائے اور بزم شیخ الہند گوجرانوالہ اور اس کے مدیر مولانا حافظ خرم شہزاد کی اس کاوش کو بھی قبولیت سے نوازیں جو ہر ماہ اہتمام کے ساتھ فکری نشست کا انعقاد کرتے ہیں۔وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین۔

❊ ❊ ❊

علمائے کرام اور سائنسدانوں کی ذمہ داریاں

بہ قلم: ڈاکٹر مبشر حسین رحمانی

تاریخِ اُمت مسلمہ کو اگر دیکھا جائے تو بہت سے فکری اور نظریاتی فرقے بنے ہیں جن سے اُمت میں افتراق وانتشار پیدا ہوا ہے۔ اگر ان فرقوں کے بننے کے عوامل پر غور کیا جائے تو پتہ چلتا ہے کہ ان فرقوں کے بننے کی بنیادی وجہ قرآن وحدیث کی من مانی تشریح ہے۔ قرآنِ پاک کے معنی کے لیے جو شرائط وآداب ہیں اُن سے متعلق شیخ الحدیث حضرت مولانا زکریا رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ اس کے لیے پندرہ علومِ دینیہ میں مہارت اور دسترس حاصل کرنا ضروری ہے اور ان میں سب سے اہم علمِ وہبی ہے جو کہ حق سبحانہ تقدس کا عطیّہ خاص ہے، جو وہ اپنے مخصوص بندوں کو عطا فرماتے ہیں۔ یعنی تھوڑی عربی جان لینے یا اردو ترجمے دیکھ کر اگر کوئی اپنی رائے داخل کرے گا تو یہ سراسر گمراہی ہوگی۔ اگر ماضی قریب کی تاریخ کا بغور مطالعہ کیا جائے تو ان فتنوں کو پیدا کرنے والوں میں بعضے پروفیسر، ڈاکٹر، انجینئر، سائنسدان اور ایسے نام نہاد عصری علوم وجامعات کے محققین شامل تھے جنہوں نے اسلاف کی رائے سے ہٹ کر تحقیق کی آڑ میں شریعت کی من چاہی تشریح عوام کے سامنے پیش کی اور عوام کی ایک بڑی تعداد ان کی وجہ سے گمراہ ہوگئی اور یہ گمراہی پھیلانے کا سلسلہ آج بھی جاری ہے۔

ایسا نہیں ہے کہ تمام پروفیسر، ڈاکٹر، انجینئر، سائنسدان، اور محققین حضرات ہی گمراہ ہوگئے ہیں لہٰذا یہ قطعاً مناسب نہیں کہ ہم عمومی طور پر ان تمام حضرات پر ہی گمراہی کا لیبل چسپاں کردیں۔ ماضی بعید میں مسلمان سائنسدانوں میں ابوریحان محمد بن احمد البیرونی، فخر الدین رازی، ابونصر محمد بن محمد فارابی، ابن سینا، محمد بن موسیٰ خوارزمی، امام غزالی اور ابن خلدون جیسے قابلِ ذکر نام ہمیں نظر آتے ہیں۔ ان میں زیادہ تر سائنسدان طب، فلکیات، طبیعات، کیمیا، فلسفہ، علم الکائنات (کونیات)،

مابعد الطبیعات، منطق، ریاضی اور جغرافیہ وغیرہ سائنسی علوم کے ماہر تھے اور ان میں سے کچھ کی دینی حیثیت بھی مُسَلَّم تھی جن میں امام غزالی کا نام قابلِ ذکر ہے؛ جب کہ ماضی قریب میں ہمیں بے تحاشہ قابلِ ذکر مسلمان سائنسدان، ڈاکٹر، انجینئر، اور محققین عالمی افق پر نظر آجائیں گے جنھوں نے اپنے متعلقہ شعبے اور سائنس کی دنیا میں گراں قدر خدمات انجام دی ہیں۔

نیز اُمت مسلمہ میں بعض اِستِثنائی مثالیں موجود ہیں جن میں بعض ڈاکٹر، محققین، انجینئر اور سائنسدانوں ہی کو اللہ پاک نے اتنی قبولیت سے نوازا کہ جنھوں نے پہلے علمائے کرام، مفتیانِ کرام اور مشائخ کی صحبت اٹھائی اور پھر انہی حضرات سے اللہ پاک نے اتنا کام لیا کہ وقت کے بڑے بڑے علمائے کرام نے ان سے فیض حاصل کیا، مثلاً حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کہ کئی خلفاء دنیاوی شعبوں سے وابستہ تھے اور دینی اور دنیاوی شعبوں کا حسین امتزاج تھے؛ مگر ان مثالوں سے ہم عمومی طور پر یہ نتیجہ اخذ نہیں کر سکتے اور نہ ہی کرنا چاہیے کہ دین کی تشریح انجینئر، پروفیسر، محققین اور سائنسدانوں کے ذمہ ہے اور نہ ہی عمومی سطح پر اس کا اطلاق کرنا چاہیے کہ ایسی پالیساں مرتب کی جائیں کہ آگے آنے والی نسلوں میں یہ اِستِثنائی مثالیں عموم اختیار کرلیں۔

ہمارے ملکِ عزیز میں الٹی گنگا بہہ رہی ہے یعنی جو انجینئر، پروفیسر، محققین اور سائنسدان حضرات ہیں، بجائے اس کے کہ وہ عالمی سائنسی تحقیق میں اپنا نام روشن کریں اور اپنے سائنسی شعبے میں مہارت حاصل کرکے پوری دنیا میں اپنا لوہا منوائیں اور امت کو درپیش جدید مسائل کا متبادل سائنسی حل پیش کریں، وہ اپنی ذمہ داریاں تو تندہی سے انجام نہیں دے رہے؛ بلکہ ان ہی میں سے بعض انجینئر، پروفیسر، محققین اور سائنسدان حضرات دینی مسائل میں اپنی رائے زنی شروع کردیتے ہیں۔ یعنی آپ کو ان میں بہت سے ایسے ملیں گے جن کو اُن کے اپنے سائنسی شعبے میں تو مہارت حاصل نہیں اور وہ دینی مسائل میں عوامی سطح پر فتویٰ دینے شروع کردیتے ہیں اور اپنے آپ کو دینی اتھارٹی گردانا شروع کردیتے ہیں۔ یہ بالکل غلط روش ہے اور تاریخ اُمتِ مسلمہ اس بات کی گواہی دیتی ہے کہ جو اُمت میں گمراہی پھیلی وہ اسی روشن خیالوں سے پھیلی اور انہی لوگوں کی دینی کم علمی، کم فہمی اور تکبر سے اُمت نے بڑے بڑے فتنے دیکھے۔

دیکھیے اگر کوئی انجینئر، پروفیسر، محقق اور سائنسدان کسی خاص شعبے کا ماہر ہے اور اس شعبے سے متعلق شرعی حکم معلوم کرنا ہے تو وہ انجینئر، پروفیسر، محقق اور سائنسدان اس شعبے کی مستند تکنیکی تفصیلات

مستند دارالافتاء اور حضرات مفتیانِ کرام کی خدمت میں پیش کرے گا اور پھر یہ حضرات مفتیانِ کرام کی ذمہ داری ہے کہ وہ اس مسئلہ سے متعلق شرعی حکم بیان فرمائیں یعنی جواز اور عدم جواز کا فیصلہ فرمائیں۔ یہاں ایک بات ضرور ذہن میں رہے کہ مفتیانِ کرام فرماتے ہیں کہ کسی عام شخص کو اپنی صوابدید پر جواز اور عدم جواز بیان کرنے کا حق نہیں؛ لیکن ایک عام آدمی کو مفتی کی طرف سے جواز اور عدم جواز کی حکایت بیان کرنے کا حق ہے، خاص طور پر جب وہ شخص کسی سائنسی شعبے کا ماہر ہو اور اُس کو اس سائنسی ٹیکنالوجی کی معلومات ہو۔ مثلاً کوئی انجینئر، پروفیسر، محقق اور سائنسدان اپنی طرف سے تحقیق کر کے یہ فیصلہ نہیں کرسکتا کہ کون سی چیز جائز ہے اور کون سی ناجائز البتہ یہ انجینئر، پروفیسر، محقق اور سائنسدان، حضرات مفتیانِ کرام سے پوچھ کر اس مسئلہ کے حکم کی حکایت کرسکتا ہے۔ خلاصہ یہ کہ کسی انجینئر، پروفیسر، محقق اور سائنسدان کا قطعاً یہ کام نہیں کہ وہ خود فتویٰ دینا شروع کردے اور کسی چیز کی شرعی حیثیت کی وضاحت میں رائے زنی شروع کردے، اگر وہ ایسا کریں گے تو اپنے دائرہ کار سے تجاوز کریں گے اور اُن کا یہ عمل شرعی طور پر معتبر نہ ہوگا۔ حضرات علمائے کرام یہ ارشاد فرماتے ہیں کہ پروفیسروں، انجینئروں، ڈاکٹروں، اور سائنسدانوں سے دینی مسائل نہ پوچھے جائیں؛ کیونکہ اُن میں یہ صلاحیت ہی نہیں ہوتی کہ وہ صحیح دینی مسائل میں امت کی رہنمائی کرسکیں۔

دیکھیے ہمیں کچھ بنیادی سوالات کے جوابات واضح طور پر معلوم ہونے چاہئیں۔ مثلاً، کیا شریعت میں مفتی کے علاوہ بھی کوئی شرعی مسائل کا استخراج کرسکتا ہے، قرآن وسنت سے مسائل نکال سکتا ہے؟ نہیں، ہرگز نہیں! کیا مفتی کے علاوہ بھی کسی کے پاس اتنا علمی رسوخ ہوتا ہے کہ وہ شریعت کے مسائل میں اتھارٹی ہو؟ اس کا جواب بھی نفی میں ہے۔ اس بات کا خلاصہ یہ ہوا کہ جب بھی ہمیں شریعت سے متعلق کوئی حکم جاننا ہوگا ہم مستند مفتیانِ کرام سے رجوع کریں گے اور انہی سے پوچھے گئے مسائل کی روشنی میں عمل کریں گے۔

مستند مدارسِ دینیہ میں دارالافتاء میں جدید مسائل میں مختلف موضوعات پر ٹھوس شرعی تحقیق ہوتی ہے۔ ٹھوس شرعی تحقیق سے مراد یہ ہے کہ موضوع کے ماہرین سے رجوع کیا جاتا ہے، سائنسی مسئلہ کی ماہیت پر غور کیا جاتا ہے، شرعی تکییف کی جاتی ہے اور پھر کافی غور وخوض اور تحقیق کے بعد اس مسئلہ کا شرعی حکم بتایا جاتا ہے۔ مختصر یہ کہ قرآنِ پاک کی تفسیر ہو یا شریعت کے احکامات، احادیثِ احکام سے مسائل کا استنباط ہو یا مختلف احادیث کی تطبیق، عوام کو مسائل کا حکم شریعت کے دائرے میں رہتے

ہوئے بتانا ہو یا دینی علوم میں غور وتدبر، یہ سب کام حضرات علمائے کرام کی ذمہ داریوں میں سے ہیں اورانہی پر جچتے ہیں کہ وہ اس موضوع کے ماہر ہیں۔

اب اس کے برعکس صورتِ حال پر غور فرمائیے۔ کچھ مدارسِ دینیہ میں بعض صاحبانِ علم یہ ذہن سازی کررہے ہیں کہ آپ خود ہی سائنسی مضمون کے ماہر بن جائیں، خود ہی سائنسی موضوع پر تحقیق کریں، اس پر سائنسی مقالے چھاپیں اور پھر اس سائنسی موضوع پر شرعی حکم بتائیں۔ یہ بھی غلط سوچ ہے کہ فتویٰ کی بنیاد سائنسی موضوع کے ماہرین سے رجوع کیے بغیر ہی رکھی جائے اور دینی علم کے ماہرین کو دوسرے علوم میں مہارت کا مکلّف بنا کر دوہرا بوجھ ڈالا جائے اور یہی وہ بنیادی وجہ ہے جس سے معاشرے میں جدید مسائل کے حوالے سے تشکیک پیدا ہوجاتی ہے اور علمائے کرام کی رائے میں اختلاف کی بنیاد پڑتی ہے؛ کیونکہ ایسے علمائے کرام کی سائنسی بنیاد ہی مضبوط نہیں ہوگی۔ الحمدللہ پیشتر مدارسِ دینیہ اور مفتیانِ کرام اس ذہن سازی سے متاثر نہیں ہوئے ہیں؛ بلکہ راقم نے خود کئی بڑے مستند مدارس اور جید مفتیانِ کرام کے عمل کا مشاہدہ کیا، یہ تمام حضرات الحمدللہ سائنسی شعبے کے ماہر ہیں سائنسی مسئلہ کی تکنیکی ماہیت سمجھتے ہیں اور پھر جدید مسائل کا حل امت کو پیش کرتے ہیں۔

آجکل نوجوان علمائے کرام کی ایک ذہن سازی یہ کی جارہی ہے کہ مسائل کا متبادل حل دینا علمائے کرام کی لازمی ذمہ داری ہے۔ دیکھیے اس میں تو دورائے نہیں کہ متبادل ہونا چاہیے اور بتانا بھی چاہیے اور بعض جید مفتیان کرام مسائل کا جواب دیتے وقت متبادل بھی بتادیتے ہیں اور سائل کو نصیحت بھی فرمادیا کرتے ہیں اور ان حضرات میں ہمارے محدث العصر حضرت مولانا سید محمد یوسف بنوری قدس سرہ، حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہید رحمتہ اللہ علیہ اور حضرت مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہ قابلِ ذکر ہیں؛ مگر متبادل حل دینے کی آڑ میں ناجائز کو جائز تو قرار نہیں دیا جاسکتا۔ نیز یہ بھی ضروری ہے کہ متبادل نصوص کے احکامات کے ذیل میں ہونا چاہیے۔ یعنی مثلاً شراب حرام ہے، زنا حرام ہے، سُود حرام ہے تو کیا مسلمان مفتیانِ کرام کے ذمہ فرض ہے کہ وہ زنا، شراب اور سُود کا متبادل دیں؟ بھئی متبادل تو شریعت نے پہلے ہی سے بتادیا ہے۔ مثلاً زنا کا متبادل نکاح ہے، شراب کا متبادل دودھ یا کسی پھل کا جوس ہے اور سُود کا متبادل کاروبار ہے؛ مگر متبادل ڈھونڈتے وقت یہ کہنا کہ نہیں ہمیں ہر حال میں متبادل دینا ہے اور شریعت کے اصولوں کو بالائے طاق رکھنا ہے کسی طرح مناسب نہیں۔ مثلاً سُود کا متبادل دیتے وقت سُود ہی کی کسی نئی شکل کو جائز قرار دینا کسی صورت بھی قابلِ قبول نہ ہوگا۔ شراب کا

متبادل دیتے وقت کسی نئی قسم کی شراب ہی کو جائز قرار دے دینا کسی طرح قابلِ قبول نہ ہوگا۔ آپ ہی انصاف فرمائیے کہ کیا اس طرح کے متبادل قابلِ قبول ہوں گے؟ نہیں، ہرگز نہیں! لہٰذا متبادل کی تلاش میں مسلمان مفتیانِ کرام پر ہرگز یہ لازم نہیں کہ وہ زبردستی حرام اور ناجائز چیزوں کو جائز وحلال بتلائیں۔

اسی تناظر میں ذیل کے اقتباسات بہت اہم ہیں۔

''بہرحال ہمارے ملک میں بڑی ضرورت ہے کہ فقہ اسلامی کی جدید تدوین کے ذریعہ جو قرآن وسنت اور حضرت حق جل ذکرہ اور حضرت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے منشا کے مطابق صالحین کے موروثہ اثاثہ کی روشنی میں کی جائے، جدید پیدا شدہ مسائل کا حل تلاش کر کے فیصلہ کر دینا چاہیے؛ تاکہ دینِ اسلام کا مضبوط اور حسین وجمیل قلعہ قیامت تک اعداء اور اغیار کے حملوں سے محفوظ رہے، مشکل سب سے بڑی یہ ہے کہ ہم یورپ کے جدید معاشی واقتصادی نظام اور معاشرتی نظام کو پہلے ہی اپنا لیتے ہیں اور پھر چاہتے ہیں کہ جوں کا توں یہ پورا نظام اسلام کے اندر فٹ ہوجائے، یہ کیسے ممکن ہے؟'' (دینی مدارس کی ضرورت اور جدید تقاضوں کے مطابق نصاب ونظامِ تعلیم، انتخاب از مقالات محدث العصر حضرت مولانا سید محمد یوسف بنوری قدس سرہ، جمع وترتیب محمد انور بدخشانی صاحب، صفحہ۱۴۲)

''فقہاء کرام نے فرمایا کہ جو آدمی اپنے اہل زمانہ سے واقف نہ ہو (یعنی اہل زمانہ کے طرز زندگی، ان کی معاشرت، ان کے معاشی معاملات اور ان کے مزاج ومذاق سے واقف نہ ہو) تو وہ جاہل ہے۔ ایک عالم کے لیے جس طرح قرآن وسنت کے احکام سے واقف ہونا ضروری ہے اسی طرح اس کے لیے زمانہ کے ''عرف'' اور زمانہ کے حالات سے واقف ہونا بھی ضروری ہے اس کے بغیر وہ شرعی مسائل میں صحیح نتائج تک نہیں پہنچ سکتا۔ حضرت امام محمد بن الحسن شیبانی رحمتہ اللہ علیہ کے حالات میں یہ بات وضاحت کے ساتھ ملتی ہے کہ فقہ کی تدوین کے دوران وہ باقاعدہ بازاروں میں جا کر تاجروں کے پاس بیٹھتے اور ان کے معاملات کو سمجھتے تھے اور یہ دیکھا کرتے تھے کہ کونسے طریقے بازار میں رائج ہیں، ظاہر ہے کہ ان کا مقصد خود تجارت کرنا نہیں تھا، وہ صرف یہ جاننے کے لیے ان تاجروں کے پاس بیٹھتے تھے کہ ان کے کیا طریقے ہیں؟ اور ان کے درمیان آپس میں کیا عرف رائج ہے؟ اس لیے کہ ان چیزوں سے واقفیت ایک عالم اور بالخصوص ایک فقیہ اور مفتی کے فرائض میں داخل ہے کہ جب اس کے بارے میں اس کے پاس سوال آئے تو وہ اس سوال کے پس منظر سے اچھی طرح

واقف ہو، اس کے بغیر وہ صحیح نتائج تک نہیں پہنچ سکتا؛ بلکہ یہاں تک کہا گیا ہے کہ جب کسی علاقے یا معاشرے میں ناجائز کاروبار کی کثرت ہوتو چونکہ عالم اور مفتی صرف فتویٰ جاری کرنے والا نہیں ہوتا بلکہ وہ ایک داعی بھی ہوتا ہے؛ اس لیے اس کا کام اس حد پر جا کر ختم نہیں ہوجاتا کہ وہ صرف اتنا کہہ دے کہ فلاں کام ناجائز اور حرام ہے؛ بلکہ بحیثیتِ داعی اس کے فرائض میں یہ بھی داخل ہے کہ اس کام کو ناجائز اور حرام کہنے کے بعد یہ بھی بتائے کہ اس کا متبادل حلال طریقہ کیا ہے؟ وہ متبادل قابلِ عمل بھی ہونا چاہیے اور شریعت کے احکام کے مطابق بھی۔ (حضرت مفتی محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم، اسلام اور جدید معیشت وتجارت، ادارۃ المعارف، کراچی)

متبادل دینے کی آڑ میں بعض صاحبانِ علم خلطِ مبحث کر چکے ہیں۔ دیکھیے متبادل کی ایک بڑی وسیع تعریف ہوسکتی ہے۔ اگر شرعی تکییف کرکے یہ بتادیا جائے کہ سُود حرام ہے اور آپ سُود سے بچیں، تو یہ حُکم بتانے کے زمرے میں آتا ہے۔ اگر یہ بتادیا جائے کہ آپ سُود کے بدلے تجارت کرلیں تو یہ متبادل دینا کہلائے گا؛ لیکن اگر متبادل دینے سے مُراد مسائلِ جدیدہ میں یہ ہے کہ حضرات علمائے کرام اپنے دائرہ کار سے ہی باہر نکل کر کام کریں تو یہ ہرگز مناسب نہ ہوگا۔ اس کو ایک مثال سے سمجھتے ہیں۔ فرض کریں کہ ایک دوائی ہے جس کو بنانے میں خنزیر یعنی سور کے خلیے استعمال کیے گئے ہیں۔ اب اس کا حُکم بتاتے وقت یہ کہا جائے کہ اس کو استعمال کرنا منع ہے تو یہ حُکم بتانے کے زمرے میں آئے گا، جیسا کہ درجِ ذیل ہے۔

''کسی بھی حرام چیز کو بطورِ دوا استعمال کرنا بھی حرام ہے، الا یہ کہ بیماری مہلک یا ناقابلِ برداشت ہو اور مسلمان ماہر دین دار طبیب یہ کہہ دے کہ اس بیماری کا علاج کسی بھی حلال چیز سے ممکن نہیں ہے اور یہ یقین ہوجائے کہ شفا حرام چیز میں ہی منحصر ہے اور کوئی متبادل موجود نہیں ہے تو مجبوراً بطورِ دوا و علاج بقدرِ ضرورت حرام اشیاء کے استعمال کی گنجائش ہوتی ہے ورنہ نہیں۔'' (فتوی نمبر: 144110200078 دارالافتاء: جامعہ علوم اسلامیہ علامہ محمد یوسف بنوری ٹاؤن)

پھر اس کا متبادل دے دیا جائے کہ آپ اس حرام اجزاء والی دوائی کے بجائے فلاں حلال اجزاء والی دوائی استعمال کرلیجیے تو یہ بات بھی عقل میں آتی ہے؛ مگر یہ مفتیانِ کرام کا دائرہ کار نہیں کہ وہ ہر دوائی سے متعلق تحقیق کریں کہ فلاں دوا کا متبادل کیا ہے؟ یہ سائل ہی کے ذمہ ہے کہ وہ حضرات مفتیانِ کرام سے پوچھ پوچھ کر مسلمان ماہر دین دار طبیب سے پوچھ کر متبادل تلاش کرے۔ مسئلہ تب

شروع ہوتا ہے کہ جب نوجوان مفتیانِ کرام کی ذہن سازی کی جائے اور اُن کو اس بات کی ترغیب دی جائے کہ آپ خود تحقیق کیجیے اور جدید طبی علوم کو سیکھیے اور پھر سیکھ کر اس حرام اجزاء والی دوا کا متبادل دیجیے۔ یعنی نوجوان مفتیانِ کرام بذاتِ خود ایم بی بی ایس MBBS کریں، پھر ایم ڈی M.D. کریں اور پھر کلینیکل پریکٹس کریں اور طبی دواؤں پر لیبارٹری میں تحقیق کریں اور پھر حرام اجزاء والی دوائی کا متبادل دیں۔ یعنی مدارسِ دینیہ کے اندر طب کی تحقیق سے متعلق شعبے قائم ہوں جس کے اندر اس مسئلے پر تحقیق کی جائے اور امت کو نئی دوا بنا کر اس حرام اجزاء والی دوا کا متبادل پیش کیا جائے جو کہ امت کی ضرورت کا حل ہو۔ ہماری گزارش ہوگی کہ یہ مسلمان علمائے کرام اور مدارس کی قطعاً ذمہ داری نہیں کہ وہ اس طرح کی تحقیق کریں؛ بلکہ یہ تو ان کے دائرہ کار ہی میں نہیں آتا اور جو صاحبانِ علم اس طریقے کی ذہن سازی کر رہے ہیں، ان کو خلطِ مبحث ہو چکا ہے۔ اس میں تو کوئی دو رائے نہیں کہ امتِ مسلمہ کو اس حرام اجزاء والی دوا کا متبادل ملنا چاہیے؛ مگر یہ ذمہ داری کس کی ہے، اس کا تعین ضروری ہے۔ سب سے پہلے تو یہ مسلمان حکومت کی ذمہ داری ہے کہ وہ اس بات کا اہتمام کرے کہ مسلمانوں کے لیے حلال اجزاء والی دوائیاں ملک میں درآمد کریں اور عالمی دوا ساز کمپنیوں سے گفت وشنید کریں تاکہ عالمی دوا ساز کمپنیاں مسلمان ممالک میں حلال اجزاء والی دوائیاں ہی بھیجیں۔ اس کے لیے مسلمان ممالک او آئی سی کا فورم بھی متحرک کر سکتے ہیں۔ نیز ملک کے اندر حکومتی حلال کمیٹیوں کے ذریعے بھی اس کا حل نکالا جاسکتا ہے۔ اصولی طور پر تو مسلمان ممالک کو سائنس میں اتنی ترقی کرنی چاہیے کہ وہ خود ایسی دوائیاں ملک کے اندر بنائیں اور یہ مسلمان سائنسدانوں اور محققین کا کام ہے کہ وہ ایسی سائنسی تحقیق کریں جس سے امت کی ضرورت پوری کی جاسکے اور متبادل حل پیش کرنا مسلمان سائنسدانوں اور اس متعلقہ شعبے کے ماہرین کی ہی ذمہ داری ہے۔

متبادل حلال طریقہ بتاتے وقت علمائے کرام کا دائرہ کار کیا ہوگا؟ اس کو ایک اور مثال سے سمجھتے ہیں۔ جیسا کہ پہلے عرض کیا گیا کہ علمائے کرام کو معاملات کی خبر ہونی چاہیے؛ مگر اس سے قطعاً یہ مراد نہیں ہے کہ وہ خود ہی ماہر بن جائیں۔ نیز اتنی استعداد حضرات مفتیانِ کرام میں ہونی چاہیے کہ وہ زیرِ نظر مسئلہ کی باریکیوں کو بھی سمجھ سکیں؛ تاکہ مسئلہ کی شرعی تکییف میں کوئی دشواری پیش نہ آئے۔ مثلاً اگر ایک سوال دارالافتاء میں آیا کہ یوٹیوب کے اشتہارات سے ہونے والی کمائی کا کیا حکم ہے؟ تو اس سوال کے جواب میں تحقیق اور مشاہدے کے بعد حضرات مفتیانِ کرام یوٹیوب کے اشتہارات سے

ہونے والی کمائی سے اجتناب کا فتویٰ دیتے ہیں۔

یوٹیوب کے اشتہارات سے ہونے والی کمائی کے سوال کا جواب بتاتے وقت مفتیانِ کرام نے یہ طریقۂ کار اختیار کیا کہ سب سے پہلے وہ کمپیوٹر سائنس کے ماہرین سے رجوع کرکے سمجھیں گے کہ یوٹیوب پر اشتہارات کس طریقے سے کام کرتے ہیں، ان اشتہارات پر کس کا کنٹرول ہوتا ہے، یوٹیوب پر جب کوئی مونیٹائیزیشن (اشتہارات وغیرہ سے پیسے کمانا) شروع کرے گا تو اس میں کن کن عوامل کی بنیاد پر اشتہارات چلیں گے، جیسے جغرافیائی محل وقوع، سرچنگ ہسٹری، وغیرہ۔ نیز جب یوٹیوب پر کوئی اکاؤنٹ کھول رہا ہے تو وہ کیا معاہدہ کررہا ہے؟ اس میں کون کون سی بنیادی شقیں ہیں جن کو صارف نے قبول کیا ہے۔ پھر مفتیانِ کرام مختلف قسم کے اشتہارات کی اقسام کو دیکھیں گے۔ پھر جب کمپیوٹر سائنس کے ماہرین سے رجوع کرنے کے بعد، تحقیق اور مشاہدے سے یہ بات ثابت ہوگئی کہ ویڈیو بنانے والے کو اس بات کا اختیار نہیں ہوتا کہ وہ اپنی مرضی کے اشتہار چلانے پر یوٹیوب کو پابند کرے اور اکثر اوقات یہ اشتہارات غیر شرعی چیزوں پر مشتمل ہوتے ہیں اور اس کے علاوہ بھی ان اشتہارات میں کئی مفاسد ہوتے ہیں جیسے میوزک، نامحرم کی تصاویر، اور جاندار کی تصاویر وغیرہ۔ تو ان تمام باتوں کا احاطہ کرنے کے بعد مفتیانِ کرام یوٹیوب کے اشتہارات سے ہونے والی کمائی کا حکم بتائیں گے جو کہ اس سے اجتناب کا ہے۔

اب جب حلال متبادل حل دینے کی بات آئی تو حضرات مفتیانِ کرام یہ کہیں گے کہ سائل کے ذمہ لازم نہیں ہے کہ یوٹیوب کے ذریعے ہی اشتہارات سے کمائی کرے، سائل کو چاہیے کہ وہ کسی اور حلال طریقۂ کاروبار سے کمائی کرلے۔ کوئی بھی مفتیانِ کرام سے یہ توقع نہیں رکھے گا کہ پہلے وہ کمپیوٹر سائنس میں ''ماسٹرز'' اور ''پی ایچ، ڈی'' کریں، پھر کئی سال کمپیوٹر سائنس میں عالمی معیار کی تحقیق کریں اور پھر اس مسئلہ کا جواب دیں۔ نیز کوئی بھی مفتیانِ کرام سے یہ توقع نہیں رکھے گا کہ خود مفتیانِ کرام ہی یوٹیوب کا متبادل دیں یعنی یوٹیوب سے ملتا جلتا اسٹریمنگ پلیٹ فارم بنائیں جس میں نہ میوزک ہو، نہ نامحرم کی تصاویر ہوں، نہ جاندار کی تصاویر ہوں اور نہ ہی کوئی دوسرا شرعی محظور ہو؛ بلکہ اگر کوئی مفتی صاحب ایسا کریں گے تو وہ اپنے دائرۂ کار اور حدود سے تجاوز کریں گے؛ کیونکہ یوٹیوب کا متبادل حل دینا، کمپیوٹر سائنسدانوں کے دائرۂ کار میں آتا ہے اور یہ اسلامی حکومتوں کی ذمہ داری ہے کہ وہ متعلقہ محکموں کے ذریعے سے یوٹیوب جیسے متبادل پلیٹ فارمز کا اجراء کریں جن میں

شرعی قباحتیں موجود نہ ہوں۔

جس طریقے سے اگر کوئی سائنسدان، محقق، پروفیسر اور انجینئر اپنے شعبے کے دائرہ کار سے نکلے گا اور اپنے شعبے سے نکل کر شریعت کی باتوں میں دخل دے گا، قرآن وحدیث کی من مانی تشریح کرے گا اور خود ہی فقہی احکامات نکالنے شروع کرے گا تو اس سے گمراہی پھیلنے کا اندیشہ ہے۔ بعینہٖ اگر نوجوان مفتیانِ کرام تحقیق کے نام پر خود ہی سائنسدان، محقق، انجینئر اور پروفیسر بن جائیں گے اور سائنس کے شعبے میں رائے زنی کریں گے تو اس کو کس چیز سے تعبیر کیا جائے گا؟

خلاصہ یہ کہ علمائے کرام اور سائنسدانوں کے ذمہ لازم ہے کہ وہ اپنے دائرۂ کار میں رہتے ہوئے کام کریں اور اپنے فرائضِ منصبی نبھائیں یعنی جو ذمہ داریاں حضرات علمائے کرام اور مفتیانِ کرام کی ہیں، وہ اُن پر کاربند رہیں اور جو سائنسدانوں، محققین، پروفیسر اور انجینئر حضرات کی ذمہ داریاں ہیں، وہ اُن ذمہ داریوں کو پوری تندہی کے ساتھ انجام دیں۔ اسی سے معاشرہ اِفراط وتَفْرِیط سے بچا رہے گا اور ترقی کرے گا۔ اگر علمائے کرام اور سائنسدان اپنے اپنے دائرۂ کار سے تجاوز کریں گے تو اسی سے معاشرے میں ابتری پھیلے گی اور خَلْطِ مَبْحَث پیدا ہوگا۔ اللہ پاک ہر قسم کے فتنوں سے امت مسلمہ کی حفاظت فرمائیں! آمین۔

* * *

نئی کتابیں

(۱)

نام کتاب : فن بلاغت کے بنیادی تصورات
مؤلف : ڈاکٹر مولانا استراج خان
صفحات : ۳۲۲ قیمت: درج نہیں
ناشر : بخشالی کتب خانہ مردان
تعارف نگار : ڈاکٹر مولانا اشتیاق احمد قاسمی استاذ دارالعلوم دیوبند

==========

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے صُحار بن عیاش عبدیؒ سے پوچھا: بلاغت کیا ہے؟ تو انھوں نے کہا: ایجاز! تو پوچھا ایجاز کیا ہے؟ تو جواب ملا: **أَلّا تُبْطِئَ وَلَا تُخطِئَ** (ترجمہ) کہ آپ سست نہ ہوں اور غلطی نہ کریں اور اردو کے مشہور شاعر اکبر الٰہ آبادی نے فصاحت و بلاغت کے لغوی مفہوم اور ماحصل کو یوں تعبیر کیا ہے۔

سمجھ میں صاف آجائے فصاحت اس کو کہتے ہیں
اثر ہو سننے والے پر بلاغت اس کو کہتے ہیں

دونوں کا تعلق حسنِ بیان سے ہے، عربی زبان میں ہی نہیں، دنیا کی ساری زبانوں میں فصاحت و بلاغت کو اہمیت حاصل ہے، اصول بعد میں مرتب ہوے ہیں، عربی زبان میں ساتویں صدی میں سکاکی نے ''علم المعانی اور علم البیان'' کو الگ الگ فصلوں میں بانٹ کر لکھا اور ''محسناتِ کلام'' کو ضمناً لکھا؛ بعد میں ''علم البدیع'' کے نام سے مستقل باب اور فن کی حیثیت اسے بھی حاصل ہوگئی، گویا ساتویں صدی ہجری میں باضابطہ تینوں فنون الگ الگ کرکے پڑھے اور پڑھائے جانے لگے۔

پیش نظر کتاب میں مؤلف نے علم بلاغت کی ارتقائی تاریخ؛ تصانیفِ ادباء کے ضمن میں لکھی ہے اور ۲۶/عربی کتابوں کا تاریخ وار تعارف کرایا ہے؛ ''تلخیص المفتاح'' کی چار شرحوں، چھ مختصرات

اور تین منظوموں کا تعارف کرایا ہے۔ ''مطول'' کے پندرہ حواشی کی نشان دہی کی ہے، پھر کتاب شروع کی ہے۔ اس کتاب کی چند خصوصیات درج ذیل ہیں:

(۱) تین سو صفحات میں پورے فن کا احاطہ کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

(۲) ''دُروس البلاغۃ'' کے سارے مضامین سمجھا کر بیان کیے ہیں۔

(۳) ''مختصر المعانی'' کے اکثر مضامین کو یہ مجموعہ شامل ہے، مزید افادہ بھی موجود ہے۔

(۴) عربی اشعار اور مثالوں کو اچھی طرح سمجھایا ہے۔

(۵) تحقیق اور حوالہ جات کا اہتمام اہل علم کے درمیان کتاب کے حسن میں اضافے کا سبب ہے۔

(۶) یہ مجموعہ ان طلبہ کے لیے مفید ہے جو ''دروس البلاغۃ اور مختصر المعانی'' پڑھتے ہیں۔ اگر وہ اردو شرح نہ دیکھیں تب بھی ان کے لیے یہ مجموعہ تقریباً کافی ہے۔

کتاب کا خط باریک ہے، جس کی وجہ سے کمزور نگاہ والوں کے لیے استفادہ مشکل لگ رہا ہے، اگر اگلی اشاعت میں خط قدرے جلی کردیں تو استفادہ آسان ہوگا۔

اردو زبان میں فن بلاغت کے تصورات پر کتاب لکھی گئی ہے؛ مگر اردو کی مثالوں سے قطعاً تعرض نہیں کیا گیا ہے، اگر اردو زبان سے مثالیں لی جاتیں تو افادہ عام ہوتا، یہ بات صحیح ہے کہ اردو مثالوں کے تلاشنے میں محنت زیادہ پڑتی ہے۔ راقم حروف بھی پانچ سال سے ''دروس البلاغۃ'' پڑھا رہا ہے؛ اس لیے اس مشقت سے خوب واقف ہے، ناچیز نے اس کے لیے اردو زبان میں لکھی گئی اولین کتاب ''معیار البلاغۃ'' جو دیبی پرشاد سحر بدایونی کی ہے، اس سے استفادہ کیا، اسی طرح شیخ الادب مولانا ذوالفقار علی دیوبندیؒ (والد محترم حضرت شیخ الہندؒ) کی ''تذکرۃ البلاغۃ'' سے بھی خوب مثالیں تلاشی ہیں؛ ''بحر الفصاحت'' بھی اولین مفید کتاب ہے، اردو زبان میں بلاغت کی کتابوں میں اکثر انھیں کی مثالیں ملتی ہیں، ان تینوں کے علاوہ نئی کتابوں سے بھی اگر مثالیں جمع کی جائیں اور خالص اردو قارئین کے لیے اس موضوع پر لکھا جائے تو کتاب مختصر ہوگی اور زیادہ مفید بھی۔

راقم حروف نے اولاً کتاب اٹھائی تو اردو میں فن بلاغت سے استفادے کا ارادہ ہوا؛ اس لیے کہ یہ گوشہ خالی ہے؛ لیکن مطالعے کے دوران محسوس ہوا کہ مصنف کا مقصد طلبۂ چہارم اور پنجم عربی ہیں، واقعتاً ان کے لیے کتاب مفید ہے، مصنف کی محنت قابلِ قدر اور تصنیف قابل اخذ واستفادہ ہے اللہ تعالیٰ قبولیت سے نوازیں! وباللہ التوفیق!

* * *

(۲)

نام کتاب : اصول نحو (ابتدائی)
مرتب : مولانا ناظر حسین بن عثمان ہتھوڑوی
استاذ دارالعلوم فلاح دارین ترکیسر، سورت، گجرات
صفحات : ۱۱۷ طبع اوّل: ۱۴۴۳ھ=۲۰۲۳ء
ناشر : (نامعلوم)
ملنے کا پتہ : مولانا ناظر حسین بن عثمان ہتھوڑوی، فون: 09879246385
تعارف نگار : ڈاکٹر مولانا اشتیاق احمد قاسمی استاذ دارالعلوم دیوبند

==========

''علم نحو'' سے اعراب کی درستگی ہوتی ہے اور ایک کلمہ کو دوسرے سے ملانے کا طریقہ معلوم ہوتا ہے، علم نحو کے بغیر عربی زبان میں مہارت حاصل کرنا بہت مشکل؛ ناممکن کے درجے میں ہے، یہ عربی زبان کا حسن اور اس کی ملاحت ہے، نمک کے بغیر جس طرح کھانا بے مزہ ہوتا ہے اسی طرح علم نحو کے بغیر استعداد پھیکی رہ جاتی ہے۔ مدارس میں ''علوم آلیہ'' میں نحو کو خاص طور سے بڑی توجہ سے پڑھایا جاتا ہے، جس کے لیے اہلِ علم نے ہر زمانے میں کتابیں لکھی ہیں، لکھ رہے ہیں اور لکھتے رہیں گے۔ زیرنظر ''اصول نحو'' بھی ابتدائی جماعت کے طلبہ کے لیے ترتیب دی گئی ہے، مصنف نے کوشش کی ہے کہ اختصار، جامعیت کے ساتھ اکسٹھ اسباق میں نحو کے ضروری قواعد اکٹھا ہوجائیں اور اس میں کامیاب ہیں، قواعد کو مثالوں سے سمجھایا ہے، اسباق کی ایک معتدبہ مقدار کے بعد مشقی سوالات بھی دیے ہیں؛ مگر نحو میر کے طرز پر ہونے کا دعویٰ جو کیا گیا ہے یہ بلا دلیل معلوم ہوتا ہے، نحو میر کا انداز اور ہے اور اصول نحو کا اور؛ ابتدائی طلبہ کو زبانی یاد کرانے کے لیے جو کتاب لکھی جاتی ہے اس کی زبان آسان اور سلیس ہوتی ہے، موصوف کی زبان میں یہ خوبی کم ہے، اسی طرح بعض بحثوں میں تشنگی باقی ہے، مثلاً علامات اسم میں ''منادیٰ'' کو چھوڑ دیا گیا ہے، فعل کی علامتوں میں ساری علامتیں ''ضرب'' سے بیان کی ہیں؛ جب کہ ماضی اور مضارع کی مثال ''کان یکون'' سے دی ہے؛ یہاں یکسانیت نہیں ہے، معرب مبنی کے بیان میں یکسانیت مفقود ہے۔ کتابت کی غلطیاں بھی کافی رہ گئی ہیں، جملوں کے ترجموں میں سلاست کا خیال کچھ کم رکھا گیا ہے۔ صفحہ ۴۷ سے ۵۰ تک محض ایک طویل حاشیہ پر مشتمل ہے، ان میں متن نہیں ہے، بھلا اتنا دراز نفس حاشیہ ابتدائی کتاب کے لیے کس طرح مناسب سمجھا

گیا؟اس طرح کی اور بھی چیزیں ہیں جن کا لحاظ رکھنا نصابی کتاب میں لازم ہے۔

غرض یہ کہ موصوف کی محنت حوصلہ افزا تو ہے کہ انھوں نے بڑی محنت سے یہ مجموعہ تیار کیا ہے؛ مگر ابھی اس پر کئی لحاظ سے محنت کرنے کی ضرورت ہے،اس کے بعد ہی نونہالانِ امت پر اس کا تجربہ کیا جانا چاہیے! کوئی بالغ نظر، تجربہ کار، زبان وبیان کی باریکیوں کی پرکھ رکھنے والا اس تالیف کو دیکھے اور اس کے نوک پلک کو درست کرے تب ہی مفید ہوگی۔ **ھٰذا ما عندی و العلم عند اللّٰہ.**

❊ ❊ ❊

(۳)

نام کتاب : **مِصفاۃُ الینابیع** شرح مشکوٰۃ المصابیح (جلد اوّل)

شارح : حضرت مولانا مفتی محمد طاہر غازی آبادی مدظلہ العالی
استاذ حدیث وصدر مفتی جامعہ مظاہر علوم سہارنپور

صفحات : ۷۶۸ قیمت: درج نہیں

ناشر : مکتبہ سعیدیہ دارالعلوم غازی آباد، رسول پور، سکروڈہ، غازی آباد (یوپی)

تعارف نگار : ڈاکٹر مولانا اشتیاق احمد قاسمی استاذ دارالعلوم دیوبند

==========

''مشکوٰۃ المصابیح'' (چراغوں کا طاق) حدیث شریف کی مشہور ترین مخدوم کتاب ہے، جو علامہ حسین فرار بغوی کی ''مصابیح السنہ'' کو سامنے رکھ کر ترتیب دی گئی ہے،علامہ محمد خطیب تبریزی نے بیالیس مآخذ سے تلاش کر ہر حدیث کا ماخذ اور صحابی کا نام ذکر کیا ہے اور احادیثِ ''صحاح'' کے لیے پہلی فصل اور ''حسان'' کے لیے دوسری فصل اور صحیحین اور سنن خمسہ کے علاوہ ''روایات'' کے لیے تیسری فصل قائم کی ہے، جس حدیث کا حوالہ نہیں ملا اس کے آگے ''بیاض'' چھوڑ دی ہے اور تکرارِ روایات سے اجتناب کیا ہے؛ اس طرح فقہی ابواب کی ترتیب پر پانچ ہزار نوسو پینتالیس (۵۹۴۵) روایات کو تین سو ستائیس (۳۲۷) ابواب کے تحت درج فرمایا، کتاب کی ترتیب بہت عمدہ اور چوکس ہے، اس میں اسلام کے سارے مضامین آگئے ہیں، حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے اسرار شریعت کی وضاحت کے لیے اسی کتاب کی احادیث کو اسی ترتیب سے منتخب فرمایا ہے۔ متعدد اہلِ علم نے اس کی شرحیں لکھی ہیں، جیسے مصنف کے استاذ شرف الدین طیبی کی شرح الکاشف عن حقائق السنن، ملا علی قاری کی مرقات المفاتیح، شیخ عبدالحق کی لمعات التنقیح (عربی) اور اَشِعَّۃُ اللمعات (فارسی)

اورالتعلیق الصبیح نیز اردو میں توضیحات اور مظاہر حق قدیم وجدید وغیرہ معروف ہیں؛ ان سب کے بعد استاذ محترم حضرت مفتی محمد طاہر غازی آبادی زید مجدہٗ نے ''مِصفاۃُ الینابیع'' کے نام سے شرح لکھی ہے، یہ شرح اپنی پیش رو ساری شرحوں کا خلاصہ اور نچوڑ ہے۔ اس کے نام کے معنی ہیں: ''چشموں کی چھلنی/چھنی''، جس میں احادیث کی شرحوں اور حاشیوں سے نکلنے والے پانی کو فلٹر مشین سے چھان کر، پینے کے لیے اہلِ علم کو پیش کیا گیا ہے۔ یعنی ان میں سے ضعیف، مرجوح اور زائد مباحث کو چھوڑ کر ان ساری باتوں کو جمع فرمادیا ہے جو طالب علم کے لیے ضروری ہیں شارح محترم فلٹر مشین (مِصفاۃ) ہیں اور شرح فلٹر واٹر (مُصفٰی) ہے؛ لیکن یہاں غیر ذوی العقول شرح کو مِصفاۃ کہا گیا ہے، گویا اسم آلہ سے مجازاً اسم مفعول مراد ہے۔ شارح چوں کہ صاحبِ نظر فقیہ، کہنہ مشق مفتی اور کامیاب مدرس ہیں؛ اس لیے انھوں نے شرح میں محض مفید باتوں پر اکتفاء فرمایا ہے، تقریر کرنے کے بجائے نمبروار خلاصۂ حدیث، استنباطات اور اسرار ورموز لکھے ہیں اور تخریج احادیث کا اہتمام فرمایا ہے۔ شرح کی ہر بات قابلِ اعتماد اور لائق قدر ومنزلت ہے۔

اس کا مقدمہ سڑسٹھ (۶۷) صفحات پر مشتمل ہے، اس شرح میں ہر صحابی کا تعارف کرایا گیا ہے، احادیث کی لغوی، صرفی اور بعض مقامات پر نحوی تحقیق کی گئی ہے، فقہی پہلو کو خوب واضح کیا گیا ہے اور ہر اس گوشے کو واضح کیا ہے، جہاں کسی طالب علم یا استاذ کو اشکال ہوتا ہے۔

''ہدایہ'' کی شرح ''بنایہ'' کی طرح اس کا قاری ان کے جملے دو جملے سے مطمئن ہوجاتا ہے۔ ہمیں شرح کی پہلی جلد سے تفصیلی استفادے کا موقع نصیب ہوا ہے، اللہ کرے اگلی جلدیں بھی جلد پوری ہوں اور طباعت واشاعت کے زیور سے آراستہ ہوکر ہماری آنکھوں کی ٹھنڈک بنیں اور عظیم محدث وفقیہ کے سینوں میں موج زن علوم سے ہم قارئین مستفید ہوں۔ **وھو الموفق والمعین!**

❊ ❊ ❊

احوال وکوائف

از: مولانا محمد اللہ قاسمی
شعبۂ انٹرنیٹ، دارالعلوم دیوبند

مجلس شوریٰ کا اجلاس

دارالعلوم دیوبند کی مجلس شوریٰ کا سہ روزہ اجلاس ۱۰ تا ۱۲ر صفر ۱۴۴۵ھ مطابق ۲۸ تا ۳۰ر اگست ۲۰۲۳ء بروز پیر تا بدھ دارالعلوم کے مہمان خانہ میں منعقد ہوا جس کی صدارت حضرت حکیم کلیم اللہ صاحب نے فرمائی۔ ۱۵ر صفر کی صبح مجلس شوریٰ کے اجلاس کا آغاز حضرت مولانا مفتی محمد اسماعیل صاحب کی تلاوت سے ہوا۔ اولاً اہم نکات پر مبنی ایجنڈے کے مطابق کارروائی کا آغاز ہوا۔ ایجنڈہ کے مطابق مجلس شوریٰ منعقدہ ماہ شعبان ۱۴۴۴ھ اور مجلس عاملہ منعقدہ ماہ ذیقعدہ ۱۴۴۴ھ کی کاروائیوں کی خواندگی وتوثیق عمل میں آئی اور خواندگی کی کاروائی کے دوران زیرغور مسائل پر فیصلے لیے گئے۔

اجلاس میں حضرت مولانا مفتی ابوالقاسم نعمانی صاحب مہتمم دارالعلوم نے رپورٹ انتظامیہ پیش فرمائی جس پر اراکین نے اطمینان کا اظہار کیا۔ مجلس میں سال گذشتہ کے میزانیہ آمد وصرف اور بیلنس شیٹ پیش کی گئی اور سال رواں کا سالانہ بجٹ منظور کیا گیا۔ حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی نور اللہ مرقدہ کے انتقال سے خالی شدہ سیٹ کے لئے ایک نئے رکن کے انتخاب کا معاملہ بھی شامل تھا، چناں چہ غور وخوض کے بعد اتفاق رائے سے حضرت مولانا سید بلال عبدالحئ حسنی صاحب ناظم دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ کا انتخاب عمل میں آیا۔ اجلاس میں نائب مہتمم حضرت مولانا عبدالخالق صاحب مدراسی نے شعبۂ تعمیرات کی رپورٹ پیش کی۔ مجلس شوریٰ نے مدنی دروازے سے متصل خالی جگہ پر دارالاساتذہ کی تعمیر کو منظوری دی۔ نیز، بجلی کے بڑھتے خرچ کے پیش نظر دارالعلوم میں سولر پلانٹ لگانے کا فیصلہ کیا گیا۔ اس موقع پر کچھ اساتذہ کا تقرر اور استقلال بھی عمل میں آیا۔

اجلاس میں مجلس تعلیمی کی رپورٹ ناظم تعلیمات حضرت مولانا حسین احمد ہریدواری کے ذریعہ

پیش کی گئی اور طلبہ کی تعلیم و تربیت کے سلسلے میں مجلس تعلیمی کے ذریعہ لیے گئے فیصلوں کی توثیق و تصویب کی گئی۔

مجلس شوریٰ کے اس اجلاس میں مہتمم دارالعلوم حضرت مولانا مفتی ابوالقاسم نعمانی صاحب اور صدر المدرسین حضرت مولانا سید ارشد مدنی صاحب کے ساتھ ساتھ حضرت مولانا غلام وستانوی صاحب اکل کوا، حضرت مولانا بدر الدین اجمل صاحب آسام، حضرت مولانا عبد العلیم فاروقی صاحب لکھنؤ، حضرت مولانا رحمت اللہ میر صاحب کشمیری، حضرت مولانا مفتی محمد اسماعیل صاحب مالیگاؤں، حضرت مولانا ملک محمد ابراہیم میل وشارم، حضرت مولانا انوار الرحمٰن صاحب بجنوری، حضرت مولانا محمود حسن صاحب کھیروا، حضرت مولانا عبدالصمد صاحب کالیکا پور مغربی بنگال، حضرت مولانا سید انظر حسین میاں صاحب دیوبندی، حضرت مولانا محمد عاقل صاحب سہارنپور، حضرت مولانا سید حبیب احمد صاحب باندہ، حضرت مولانا محمد عاقل صاحب شاملی اور حضرت مولانا مفتی محمد شفیق احمد صاحب بنگلور نے شرکت فرمائی، جب کہ حضرت مفتی احمد خان پوری صاحب ڈابھیل اور حضرت مولانا محمد اشتیاق صاحب مظفر پور ذاتی مصروفیات اور اعذار کے سبب شرکت نہ کر سکے۔

بدھ کو آخری نشست کے بعد حضرت مولانا سید ارشد مدنی صاحب کی دعا پر مجلس شوریٰ کا یہ اجلاس اختتام پذیر ہوا۔

❊ ❊ ❊

ضروری اعلان

کاغذ، طباعت وغیرہ کے نرخ میں غیر معمولی اضافہ ہوجانے کی وجہ سے ''ماہنامہ دارالعلوم'' کی قیمت میں فی رسالہ دس (۱۰) روپے کا اور سالانہ زرتعاون میں ایک سو (۱۰۰) روپے کا اضافہ کیا گیا ہے۔ اس لیے اکتوبر ۲۰۲۳ء سے ''ماہنامہ دارالعلوم'' کی قیمت حسب ذیل رہے گی۔

ہندوستان میں فی رسالہ Rs. 30/= سالانہ زرتعاون Rs. 300/=

سالانہ زرتعاون بذریعہ رجسٹری ڈاک Rs. 540/=

سعودی عرب، افریقہ، برطانیہ، امریکہ، کناڈا وغیرہ سے سالانہ =/1500 روپئے ہندوستانی

بنگلہ دیش سے سالانہ =/800 روپئے، پاکستان سے ہندوستانی رقم =/800 روپئے (ادارہ)